درس حدیث

محمد اظہر مدنی

عیب جوئی حرام ہے

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع فقال: یا معشر من اسلم بلسانہ ولم یفض الایمان الی قلبہ، لا تؤذوا المسلمین ولا تعیروھم ولا تتبعوا عوراتھم، فانہ من تتبع عورۃ أخیہ المسلم تتبع اللہ عورتہ، ومن نتبع اللہ عورتہ یفضحہ ولو فی جوف رحلہ (سنن الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور بآواز بلند لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! جو اپنی زبان سے اسلام لائے ہو اور ایمان ابھی جن کے دلوں تک نہیں پہنچا ہے، مسلمانوں کو تکلیف نہ دو اور انہیں عار نہ دلاؤ اور نہ ہی ان کے عیبوں کو ڈھونڈھو اس لئے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کا عیب ڈھونڈھے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ڈھونڈھے گا اور جس کے عیب کو اللہ تعالیٰ ڈھونڈھے گا اس کو ذلیل کردے گا اگرچہ وہ اپنے مکان ہی میں کیوں نہ ہو۔

تشریح: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ایک انسان کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ اس لئے کسی بھی انسان کی جان، مال، عقل یا عزت و آبرو سے چھیڑ چھاڑ کرنا حرام ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا یقینا ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں، اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انھیں فضیلت عطا فرمائی۔

کسی بھی انسان کو تکلیف و ایذاء پہنچانے والی برائیوں میں سے ایک برائی اس کی عیب چینی ہے۔ جبکہ شریعت اسلامیہ نے پردہ پوشی اور کسی کے عیب چھپانے کی بڑی اہمیت و فضیلت بیان کی ہے۔ مسلم شریف کی ایک حدیث جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی دنیا میں کسی بندے کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کے عیب پر پردہ ڈال دے گا۔ کون ایسا انسان ہے جس کا یہ دعوی ہو کہ اس کے اندر عیب نہیں ہے۔ وہ عیبوں سے پاک وصاف ہے۔ آپ کو کوئی بھی نہیں ملے گا بلکہ ہر انسان کے اندر کوئی نہ کوئی عیب ضرور پایا جاتا ہے۔ اس عیب کو چھپانا، اس کی ستر پوشی کرنا ہم پر واجب ہے۔ لیکن آج اس کے برخلاف لوگ ایک دوسرے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، اس کی ٹوہ میں لگ جاتے ہیں۔ عیبوں کو تلاش کرنے میں نہ جانے اللہ کے کن کن حدود کو پھلانگ جاتے ہیں جس کا ان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ دوسرے کے عیوب تلاش کرنے میں نہ جانے خود کن کن برائیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں، گناہوں کے دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں اور یہ مرض جس شخص یا جس سماج و معاشرہ میں عام ہو جائے، اس سماج کے لوگ کبھی بھی چین و سکون سے نہیں رہ سکتے اور نہ دوسروں کو رہنے دے سکتے۔ اس کے بہت سارے مضر اثرات ہیں اسی لئے شریعت اسلامیہ نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور ستر پوشی کی اہمیت کو اجاگر فرمایا ہے بلکہ یہی نہیں نبی کریم ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ جو شخص کسی کے عیب پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب پر پردہ ڈال دے گا اور جو اس قبیح اور مذموم عمل میں ملوث ہوگا اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کو اس قبیح اور مذموم عمل میں مبتلا فرمادے گا۔ اور یہ عیب جوئی اس کو جہنم میں لے جانے کا سبب بن جائے گی۔ سورہ الھمزہ میں اس کی بربادی، خرابی اور ہلاکت کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہو۔ جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا ہرگز نہیں یہ تو ضرور توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا اور تجھے کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا ہوگی؟ وہ اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی آگ ہوگی۔ جو دلوں پر چڑھتی جائے گی۔ اور ان پر بڑے بڑے ستونوں میں ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی۔

مسلمانوں کے عیوب کو ظاہر کرنا بدترین عمل ہے۔ سفر معراج کے موقع رسول اللہ ﷺ کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل امین سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی آبروریزی اور ان کا گوشت کھایا کرتے تھے یعنی ان کے عیوب کو کھوج کھوج کر لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے اس سے اس کی سنگینی کا پتہ چلتا ہے کہ یہ کتنا بدترین عمل ہے۔ ہم تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس برائی سے محفوظ فرمادے جس کی ہلاکتیں اور سنگینیاں اتنی ہیں کہ بروز قیامت خود اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے پیچھے پڑ جائے گا اور اس کو ذلیل و رسوا کردے گا اور جس کے پیچھے اللہ تعالیٰ خود پڑ جائے اس کو کون بچا سکتا ہے۔ مولائے کریم کسی بھی مسلمان کی تذلیل و تحقیر کرنے، اس کے عیوب کو برملا بیان کرنے اور عزت و حرمت کی پامالی، عیب جوئی، طعنہ زنی، برا بھلا کہنا، توہین کرنا وغیرہ سنگین برائیوں سے محفوظ فرمانے کے ساتھ ساتھ توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین وصلی اللہ علی نبینا محمد ﷺ

☆☆☆

مدیر مسئول

اصغر علی امام مہدی سلفی

مدیر

عبدالقدوس اطہر نقوی

نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی   مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم

مجلس ادارت

مولانا محفوظ الرحمن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی

مولانا اسعد اعظمی   مولانا طہ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
تعلیمی پسماندگی۔ اسباب وعلاج	۷
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل غیر مسلموں کے ساتھ	۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عفوودرگزر کے نمونے	۱۶
وراثت کی تقسیم: اہمیت وضرورت	۱۸
گاؤں محلہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجئے	۲۲
دعوت اسلام	۲۳
جماعتی خبریں	۲۶
غرور وگھمنڈ نہیں، تواضع وخاکساری پیدا کیجئے	۲۷
اعلان داخلہ ''المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیہ	۳۱
اشتہار اہل حدیث منزل	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک

سالانہ ———— ۱۵۰/روپے

فی شمارہ ———— ۷/روپے

پاکستان ———— ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶

ویب سائٹ: www.ahlehadees.org

ترجمان ای میل: jaridahtarjuman@gmail.com

جمعیت ای میل: jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

اصلاح معاشرہ۔ کچھ تبصرے کچھ تقاضے

آج کل اصلاح معاشرہ کے لیے مختلف کمیٹیاں، مجالس اور بورڈ زوجود میں آرہے ہیں اور اصلاح کی کوششیں ہمہ جہت صرف ہورہی ہیں یا کم ازکم اس کی فکر سب کو دامن گیر ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصلاح کی کتنی ضرورت ہے اور کس قدر احساس زیاں بھی کارواں کے دل سے جاچکا ہے؟ لیکن ساتھ ہی یہ لمحہ فکریہ بھی لوگوں اور اصلاح پسندوں کو ستارہا ہے کہ آخر فساد و بگاڑ اور خرابی بسیار کا سلسلہ کیوں نہیں رک رہا ہے؟ زمانہ جوں جوں گذر رہا ہے شر وفساد کا ہر میدان میں اضافہ ہی ہورہا ہے۔ بعض معاملات اور حالات میں معروف ومنکر کا معیار بھی تبدیل ہورہا ہے۔ منکر کو معروف سمجھا جانے لگا ہے اور معروف کو منکر کا درجہ حاصل ہورہا ہے۔ اعراف واقدار بدل رہے ہیں۔ اقدار خصوصا انسانی قدروں میں تبدیلی تو اتنی کثرت اور تیزی سے نہیں آتی! اس لیے لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمارے اصلاح معاشرہ کا مشن اور جدوجہد ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق ہورہا ہے۔ کوئی مصلحین و منتظمین میں اخلاص کی کمی کا شکوہ کناں ہے تو کوئی طریق کار کو دوش دے رہا ہے، جبکہ بعضے ریا کاری ومکاری کے طعنے دے رہے ہیں۔ کچھ کا تجزیہ یہ ہے کہ ''لم تقولون ما لا تفعلون'' جیسی حرکتیں خود مصلحین اور انجمنیں کررہی ہیں۔ اس لیے ہم خود معروف کا عامل بن کر اصلاح کا کام کریں کیوں کہ اللہ جل شانہ کو زمین میں فسادی کام، فتنہ پروری، دنگا اور بدامنی سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ اسے صلح واصلاح بے حد پسند ہے اور اس کے نزدیک روزہ، نماز، صوم وصلوۃ اور قیام وتہجد سے بھی زیادہ اصلاح اور امن کا کام پسندیدہ اور محبوب ہے۔ پھر ایسے میں اصلاح کے کام کرنے والے خود ہی رسم و رواج، فتنہ وفساد اور ارتکاب منکرات کے خوگر ہوں تو پھر ان کی کون سنے گا اور اللہ جل شانہ اس میں کیا برکت دیں گے؟ جبکہ کہنے والے خود بھی اصلاح و

درستگی اور دین وشریعت کا پاس ولحاظ نہیں رکھتے ہیں۔ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ”تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے“(الصّف:۳) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر سخت ناراض اور غصہ ہوتے ہیں جو دوسرے کو تو نصیحت کریں اور خود کو فراموش کردیں۔

لوگوں کا ایک تبصرہ وتجزیہ یہ بھی ہے کہ سماج ومعاشرہ، فرد وجماعت اور ملک وملت کی اصلاح کے لیے جو جتن اور تیاری ہونی چاہئے وہ مطلوبہ معیار پر قائم ہے نہ اس کی طرف توجہ ہے تو پھر بات کیوں کر بنے؟۔ دعوت واصلاح کے جو اسالیب وطریقے اپنائے جارہے ہیں اور اس میں جس حکمت ودانائی، معاملہ فہمی اور وعظ ونصیحت کی ضرورت ہے اسے مطلق خاطر میں نہیں لایا جاتا۔ بعض روٹینی اور لگے بندھے ذرائع ووسائل کو استعمال کرلینے سے رپورٹنگ، نمائش اور مظاہرہ تو ہوسکتا ہے مگر اصل کام اس سے کیوں کر ممکن ہے؟ کیا یہ بات سچ نہیں ہے کہ جس اخلاص ودلجمعی، محنت ولگن، فدائیت وفنائیت، دردمندی وفکرمندی اور دلسوزی ودلداری سے اس کام کو انجام دینا چاہیے اور ارشاد باری تعالیٰ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ”میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں“(هود:۸۸) کے بموجب اس میں جس روح اور جذبہ کی فراوانی ہونی چاہیے وہ یکسر مفقود ہے اور اس میدان میں توفیق الٰہی کی طلب، انجام کار اور نتیجہ وغیرہ کو اللہ جل شانہ کے حوالے کرنے، عمل پیہم اور جہد مسلسل میں لگے رہنے والا معاملہ ناپید نظر آتا ہے تو پھر چمنستان اصلاح وسدھار میں برگ وبار کہاں سے لگے اور دنیا کے خزاں رسیدہ نخلستانوں سے کیوں کر طالبین کے ہاتھوں میں تمور وکھجور کے گچھے آئیں۔ اگر کار اصلاح وسدھار میں قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ”آپ فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے“(الانعام:۱۶۲)” والی کیفیت وہیئت نہ ہوتو پھر رحمت الٰہی کا نزول کیوں کر ممکن ہے؟ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ”پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کرڈالیں گے۔“(الکہف:۶) والی حالت ان زعماء الاصلاح پر طاری نہ ہوتو توحید وسنت اور اصلاح ودعوت کے اثرات کیسے مرتب ہوں گے؟

کچھ حضرات دعوتی واصلاحی کانفرنسوں، جلسوں اور عام کوششوں کو بے وقت کی راگنی قرار دیتے ہیں اور عوام الناس نے بھی اسے بطور ایک دلچسپ مشغلہ ایجاد کرلیا ہے اور رند کے رند رہتے ہیں اور جنت بھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے ہیں تو پھر اصلاح وسدھار کے برکات کہاں سے نظر آئیں؟

ایک طرف معاشرے کی ان برائیوں کو برتنے کے جواز، یا کم ازکم اضطرار اور عموم بلوی، یا زمانے کا جبر اور مجبوری قرار دے کر اس کو برتتے ہیں اور دوسری طرف اصلاحی باتیں بھی کرکے خوش ہوتے ہیں کہ فریضہ امر بالمعروف والنھی عن المنکر کی ادائیگی ہوگئی یا کم ازکم کچھ باتیں تو اچھی آہی گئیں۔ یعنی ”باغباں بھی خوش رہے، راضی رہے صیاد بھی“۔ مثلاً شادی بیاہ کو ہی لے لیجئے۔ بڑے بڑے مصلحین ومنتظمین کے یہاں سارے رسوم ورواج ادا کئے جاتے ہیں اور ساتھ ہی بڑے اہتمام سے مسجد میں نکاح کرلینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ خطبہ بھی بڑے موثر اور جرات مندانہ دیتے ہیں اور یوں فریضہ دعوت الی اللہ ونھی عن المنکر سے سبکدوش ہی نہیں ہوتے بلکہ اس میدان کے ہیرو اور بطل جلیل ہونے کا زعم خویش بھی پالتے ہیں۔

یہ اور اس طرح کی ڈھیر ساری باتیں لوگ ان اصلاحی کاموں، انجمنوں اور کانفرنسوں کے سلسلہ میں کہتے اور لکھتے رہتے ہیں اور سوشل میڈیا میں تو اب ایسے ایسے سورما، فقیہ امت، تجزیہ نگار وقلم کار اور دل وجان سے فداکار در کر آئے ہیں بلکہ مرد میدان بذات خود بنے ہوئے ہیں کہ جو چاہیں حکم لگادیں۔ گویا یہ ان کا پیدائشی حق ہے۔

میں ان تبصروں پر تبصرہ یا ان کا تجزیہ کرنا نہیں چاہتا، کیوں کہ ان کی نیک نیتی پر تو میں شک کرکے یا ان پر تبصرہ کرکے گنہگار نہیں بننا چاہتا۔مگر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ اگر یہ سب کچھ بھی نہ ہوتا تو نہ سہی، لیکن سلبیات کے سامنے سپر انداز ہوکر ہم کون سا مثبت اور پائیدار کام کررہے ہیں؟ خود ہم اپنے گریباں میں جھانک کر کیوں نہیں دیکھتے اور اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر غور کرکے آگے کیوں نہیں بڑھتے؟

ویسے میرا ماننا ہے کہ جس شکل میں بھی، جہاں بھی اور جیسے بھی اصلاح کا کام یا بقول دیگراں نام ہورہا ہے اگر اتنا بھی نہ ہوتا تو کیا ہوتا! بہتر اور کثرت کے طالب وخواہش مند تو سب ہیں، پھر یہ فساد و بگاڑ، منکرات وفواحش اور خواہشات نفسانی کے بڑھتے ہوئے رجحانات، نت نئی خرافات، لہو ولعب اور زینت وتفاخر کے ذرائع وملذات کے ازدیاد نے کیا قیامت کبریٰ کا سماں پیدا نہیں کردیا ہوتا اور اگر آپ کے بقول سلبیات اور کوتاہیوں کی وجہ سے ان اصلاحی کاموں کو محض ناقص اور معیاری نہ ہونے کی وجہ سے ترک کردیا گیا ہوتا تو طوفان بدتمیزی اور بدتہذیبی اور فساد کی کثرت سے زمین تنگ نہیں ہوگئی ہوتی؟ اس لیے جو ہورہا ہے اس کو غنیمت سمجھیے، اس میں بہتری پیدا کیجیے اور بہتر سے بہتر کے لیے کوشاں رہیے۔

بعض خامیوں اور نقص کی وجہ سے اگر وہ واقعی پائی بھی جاتی ہیں تب بھی اس کام کو ترک نہ کیا جائے۔نہ کرنے سے کچھ کرنا بہتر ہے۔ساتھ ہی ان خرابیوں اور خامیوں کو دور کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔اصلاحی کاموں اور مصلحین کے اندر بعض خامیاں یقینا اصلاح طلب ہی نہیں ہیں بلکہ پہلی فرصت میں ان کا ترک کرنا فرض ہے۔کیوں کہ اس سے یہی نہیں کہ اصلاح وسدھار کا کام نہیں ہوتا بلکہ اس سے اصلاح ہونے کے بجائے فساد پھیلتا ہے اور اصلاح کی دیگر کوششیں بھی متاثر ہوتی ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ اس سے اصلاح کے کام اور مصلحین کی بدنامی ہوتی ہے۔اس لیے فرد ومعاشرہ کی اصلاح کے حوالے سے چند بنیادی باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے اور ان کو سامنے رکھ کر ہی اصلاح کا کام شروع کرنا چاہئے۔

مثلا اخلاص نیت اور اللہ جل شانہ کی مرضی وخوشنودی کا حصول۔اصلاح معاشرہ کے کام میں اخلاص اور اللہ جل شانہ کی مرضی وخوشنودی کے حصول کی نیت بڑی بنیادی اور اولین چیز ہے جسے مصلحین کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔اللہ تعالی نے محمد رسول اللہ ﷺ کو ہمارے لیے نمونہ بناکر مبعوث فرمایا۔آپ رحمۃ للعالمین تھے اور ایک ایسے معاشرے میں برپا کیے گئے تھے جو ڈھیر سارے بگاڑ کا شکار تھا اور پستی وذلت میں اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا اور زمانہ کی ہر برائی اس میں درآئی تھی۔وہ باہمی دشمنی، منافرت، عصبیت، پھوٹ، جھگڑا، لڑائی، لوٹ کھسوٹ غرضیکہ ہر طرح کی اخلاقی و دینی برائیوں میں مبتلا ہوچکا تھا۔فواحش ومنکرات، خواہشات نفسانی اور واہیات وخرافات میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔قانون کی بالادستی اور نظم وضبط کی پابندی ان کے یہاں کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ظلم وزیادتی اور بددیانتی عروج پر تھی، سود اور استحصال بھی معاشرہ کا ناسور تھا، قوی ضعیف کو ستاتا تھا اور غلامی اور غلط روی کا بازار گرم تھا۔الغرض وہ کون سا ناسور تھا جو سوسائٹی کو ہلاکت وبربادی کے آخری دہانے پر نہیں پہنچا چکا تھا۔ایسے بدترین معاشرے کی سدھار اور اصلاح کے لیے وہ کون سا نسخہ شفاء اور تریاق وکیمیا تھا جس نے معاشرے کو موت کے منہ سے نکال لیا، بلکہ ایسا صالح اور مثالی معاشرہ تشکیل پاگیا کہ اس کی مثال نہ کبھی پہلے دیکھی گئی تھی نہ بعد میں ہی اس کے نمونے پیش کیے جاسکے۔صدق وصفا، تزکیہ واحسان، ترابط وتراحم، امن وامان اور اخوت ومحبت کا ایسا ماحول ومعاشرہ کبھی دنیا نے نہیں دیکھا تھا۔عرب کے اکھڑ، ان پڑھ، بدو اور اعراب ودیہاتی کیسے دنیا کی امن پسند اور مہذب قوم بن گئے کہ وہ مصلح اخلاق اور رہبر عالم بن گئے۔کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ دراصل جو نسخہ کیمیا غار حراء سے رحمت عالم ﷺ لے کر آئے تھے وہی ہر ملک ومعاشرہ کے سدھار اور بناؤ کی اول وآخر دوا وعلاج ہے۔ ودونہا خرط القتاد۔امام مالک رحمہ اللہ نے جب کہ اقوام عالم یَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کا سماں باندھ رہے تھے، بھانت بھانت کی ان کی بولیاں

تھیں، وہ آج کے معاشرے کی طرح متعدد زبانی ولسانی جھگڑوں او جھمیلوں میں الجھی ہوئی تھی، کیڑے مکوڑے اور پتہ نہیں کیا کیا خوراک اور آب ودانہ کی دیوانی تھی، شادی بیاہ، نکاح وطلاق اور خوشی وغمی میں اپنا ایک خاص مزاج رکھتی تھی جو ایک لمحہ کے لیے بھی ایک ساتھ اور ایک کھونٹے سے بندھ کر نہیں رہ سکتی تھی تو لوگوں نے طرح طرح کے اجتہادات وتفریعات اور آراء وقیاسات سے اس کے حل پیش فرمانے شروع کر دیئے۔ حتی کہ دین وشریعت میں تنازل وتخاذل کی راہ تک نکال لینی چاہی کہ ان کی شیرازہ بندی کی جاسکے۔ مگر امام دار الہجر ہ نے صاف صاف فرمایا تھا کہ جاہلیت اولیٰ کی اصلاح جس چیز نے کردی تھی وہی اول وآخر نسخہ ودوا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گویا وسواس شیطانی ہے۔ ”لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا“ کہہ کر امام ہمام نے رہتی دنیا تک کے لیے بتادیا کہ نبی آخر الزماں، خاتم النبین اور رحمۃ للعالمین کا لایا ہوا دین وشریعت اور اخلاق وطریقہ ہر دہر وعصر میں سارے درد ہائے زماں ومکاں کا واحد طریقہ علاج واصلاح ہے۔ تم خود غور کرو کہ جھوٹ وکذب اور زور کے دور ترقی میں صدق و سچائی کے علمبردار نے امت اور زمانہ کو صدیق اکبر عطا کردیا۔ خود معاند و باغض اور متعصب قوم نے صادق کا خطاب عطا کیا اور انتہائی جھوٹے معاشرے میں سچائی کا دور دورہ ہوگیا۔ تم خود بتاؤ کہ جھوٹ سے بھی بڑا کوئی ناسور ہے جو کسی معاشرے کو کھوکھلا اور خراب کرتا ہے، مگر دیکھو کہ مصلح صادق نے پورے عرب کو دیکھتے ہی دیکھتے صدیقین وشہداء حق وصداقت کی کھیپ کی کھیپ پیدا کردی۔ امانت ودیانت کا جنازہ جو بہت پہلے اس معاشرے سے اٹھ چکا تھا اور خیانت وبددیانتی نے قوم کو کس پستی میں پہنچا دیا تھا کہ امانت غنیمت کے مال سے بھی زیادہ حلال سمجھ کر ہڑپ لی جاتی تھی، مگر ایک امین کیا پیدا ہوا کہ اس امت کے اندر امین ہی امین پیدا ہوگئے اور کون ایسا تھا جو اس معاشرے میں امانت ودیانت کا نمونہ نہ بن گیا ہو۔ اب اقوام عالم حتی کہ دشمن جانی وایمانی بھی اپنی امانتوں کی حفاظت وصیانت کے لیے انہی کو رازدار وامانت دار مانتے تھے۔ اسی طرح معاشرے کو گھن کی طرح کھاجانے والے دیدان اور کیڑے مکوڑوں کے کتنے ہی انواع واقسام تھے، مثلاً عداوت، حسد، عصبیت، بے مروتی وبداخلاقی، قطع رحمی، عدم ترحم و ربط وتعلق جن سے معاشرہ فساد وبگاڑ اور ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہوجاتا ہے۔ اپنے پرائے غم خواری ودلداری کے لیے نہیں بلکہ جانکاہی اور زندگی کو اجیرن بنادینے کے لیے کافی تھے۔ اب اطمینان وسکون اور جانبازی ودیانت داری کے لیے معروف ومشہور ہوگئے۔ وہ صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ میں تمہیں میدان محشر میں کچھ کام تو نہ آسکوں گا مگر یہاں میرا مال ومنال تمہارے کفر و عناد کے باوجود تم پر نچھاور ہے۔ تم رشتوں کو تار تار کرتے جاؤ اور میں اس کو جوڑ کر رکھوں گا اور اتنا اسے مضبوط تر کردوں گا کہ تمہاری شقاوت وجفاوت اسے کبھی پھلنے پھولنے سے روک نہ سکے گی۔ وہ جسے نمونہ بنایا گیا تھا اور اس نے عرب وعجم کی کایا پلٹ دی، وہ کیسر وکستوری کے بول بولتا تھا۔ کانوں میں رس گھولتا تھا، دلوں کو موہ لیتا تھا۔ اس کے کلمات جوامع الکلم تھے اور اس کا کون سا لفظ تھا جو کوثر وتسنیم سے دھلا ہوا، شہد میں ڈوبا ہوا اور غیروں کے کلمات سے زیادہ شیریں ودلپذیر نہ تھا۔ وہ سیدھے دل ودماغ اور عقل وخرد کو اپیل واسیر کردیتا تھا۔ بگاڑ بھرے معاشرہ بلکہ پوری انسانیت کو آپسی میل ومحبت، اخوت ومودت، ایک دوسرے پر رحم وکرم کے پیغام انسانیت کے ذریعہ اگر ایک طرف زبانی طور پر دوجسم ایک قالب قرار دے کر خلوص وللٰہیت اور جذبہ ترحم ومودت میں ڈوبی ہوئی بات کرتا تھا کہ مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم کمثل الجسد۔۔۔۔ تو عملی طور پر بھی کفر وشرک میں ڈوبے ہونے کے باوجود حملہ آور دشمنوں کو قید بامشقت میں دیکھ کر اس قدر مضطرب ہوتا تھا کہ اس کی نیند ہی اڑ جاتی تھی اور اس کی نیند اس وقت تک حرام ہوجاتی تھی جب تک ان جانی دشمنوں کی رسی کھول نہ دی گئی۔ اگر تم مصلح قوم ہو تو ویسا ہی دل ودماغ اور کردار وعمل بھی کہیں سے لاؤ، اسے حرز جان بناؤ اور اصلاح معاشرہ کے لیے اٹھ کھڑے ہو، پھر دیکھو سماج سدھار کا کام کیسے پروان چڑھتا ہے اور معاشرہ کیسے مثالی بنتا ہے!!

☆☆☆

تعلیمی پسماندگی۔ اسباب وعلاج

مولانا خورشید عالم مدنی، پٹنہ

قوموں کی صلاح وفساد میں تعلیم کا بڑا عمل دخل ہے۔ یہ تعلیم ہی انسان کو انسان بناتی اور حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے یہ تعلیم ہی انسان کو تہذیب وتمدن کے زیور سے آراستہ کرتی ہے جو قومیں تعلیم کے میدان میں پیچھے رہ جاتی ہیں وہ زندگی کے تمام میدانوں میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔

آج مغرب کی ترقی کا راز صرف تعلیم کو اہمیت دینا اور تعلیم کی راہ میں سب کچھ لٹا دینا ہے، اسی تعلیم کی بدولت انہوں نے پوری دنیا کو فتح کرلیا اور پوری دنیا کا قائد بن گیا ہے۔ اور جیسے چاہتا ہے دوسرے ممالک کو نچاتا ہے اس سچی حقیقت پر انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے تعلیم وتربیت کی اہمیت وافادیت کو سمجھا اور اپنی نئی نسلوں کو شمع علم سے روشن کیا وہ قومیں ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے عروج تک پہنچ گئیں، فلاح وکامرانی نے ان قوموں کا شاندار استقبال کیا بلکہ ان کے قدم چومے اور عزت وسعادت نے انہیں اپنے آغوش میں لیا اور جن قوموں نے تعلیم پر توجہ نہیں دی ان کے گلشن تعلیم وتربیت میں آگ لگ گئی، ان قوموں کی ترقی کے سورج کو گہن لگ گیا۔ وہ قومیں تاریک راہوں میں بھٹکنے لگیں، ان کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی، اور ذلت وخواری، در کا سوالی بنا، کاسہ گدائی لے کر در بدر ٹھوکر کھانا ان کا مقدر بن گیا۔

اور یہ ایک معروف ومسلّم حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے علوم ومعارف کی جو شاندار خدمت انجام دی ہے، دنیا کی کوئی بھی قوم اور کوئی تہذیب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اقرأ کے ذریعہ نزول وحی کا آغاز ہوتے ہی اور تعلیم تعلم سے مسلمانوں کے تعلق کی بنیاد پڑگئی، نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ نے قلم وقرطاس سے قوم کے رشتے کو استوار کیا، يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ’’اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کردے گا‘‘ (سورہ مجادلہ:۱۱) کے اس مژدۂ جاں فزا نے ان کے آتش شوق کو بھڑکا یا اور قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ’’بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں‘‘ (الزمر:۹) کے اس اعلان نے ان کے اندر حصول علم کی راہ میں مسابقت کا جذبہ پیدا کیا پڑھنے پڑھانے کی اہمیت وفضیلت پر مروی احادیث شریفہ نے مسلمانوں کے ذوق وشوق کے لئے مہمیز کا کام کیا۔ قرآن کریم کی قرأت وکتابت کی ضرورت نے پڑھنے لکھنے کی عملی راہ ہموار کی، حدیث شریف کی تدوین وتالیف کا عمل بھی آپ کی حیات طیبہ میں اور آپ کی نگرانی میں شروع ہو چکا تھا۔ جس نے مسلمانوں میں علم کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کے ان قیدیوں کا فدیہ مسلمان بچوں کی تعلیم قرار دینا جن کے پاس فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہیں تھی، انسانی تاریخ کی اس انوکھی مثال نے معاشرہ کو تعلیم یافتہ بنانے کی لگن پیدا کردی۔

قرآن وسنت کی اسی ترغیب کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی عملی فتوحات ان کی عسکری فتوحات سے بھی آگے نکل گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے صحرائے عرب میں علوم وفنون کے چشمے ابلنے لگے۔ جبکہ یورپ پوری طرح جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس عہد کو خود اہل یورپ (Dark Ages) سے تعبیر کرتے ہیں، مغربی فلسفی گوسٹاف لو بون لکھتا ہے کہ ’’کاش عرب کے مسلمانوں نے فرانس پر بھی قبضہ کرلیا ہوتا تاکہ پیرس بھی اسپین کے قرطبہ کی طرح تہذیب وتمدن کا مرکز بن جاتا، جہاں عام آدمی بھی لکھنا پڑھنا اور ان میں سے بعض شعر کہنا بھی جانتے تھے جب کہ اس وقت یورپ کے بادشاہوں کو بھی اپنا نام لکھنا نہیں آتا تھا۔‘‘

چھ صدی سے زیادہ کے اس عرصے میں مختلف علوم وفنون پر مسلمانوں نے بے شمار کتابیں تصنیف کیں، انسانی علوم ومعارف کا کوئی راستہ ایسا نہیں بچا جس پر مسلمانوں نے اپنے نقش قدم نہ چھوڑے ہوں۔ ول ڈیورانٹ اپنی کتاب ’’تہذیب کی کہانی‘‘ (Story of civilization) میں لکھتے ہیں کہ: بخارا کے سلطان نے ایک مشہور طبیب کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تو طبیب نے اس عذر کے ساتھ اس کی دعوت کو رد کردیا کہ اسے اپنی کتابیں منتقل کرنے کے لئے چار سو اونٹوں کی ضرورت پیش آئے گی۔‘‘

مگر افسوس! جس قوم کے علمی نبوغ کا اور تابناک ماضی کا یہ عالم تھا۔ جس قوم نے دنیا کو علم کیمیا، الجبرا، علم طب، ودیگر سائنسی علوم دیئے، جس قوم نے گھڑی ایجاد کی۔ اس قوم کی تعلیمی پسماندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو آنکھیں نم ہوجاتی ہیں۔ آج یہ قوم علم وہنر کے میدان میں پسماندگی وزوال کی انتہا تک پہنچ گئی ہے، ان کے تعلیمی پسماندگی کا گراف تشویش ناک حد تک گر چکا ہے۔ جسٹس سچر کی رپورٹ کے مطابق یہ قوم شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب سے بھی پیچھے ہے۔‘‘ مسلمان بحیثیت مجموعی نہایت پسماندہ ہے، نہ تو معاشی طور پر مضبوط ہیں اور نہ ہی سماجی طور پر دیگر قوموں کے مقابلے میں بلند معیار ہیں۔ مسلمانوں کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کو زیادہ تر مذہبی تعلیم ہی دلواتے ہیں۔ لیکن سچر کمیٹی نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کے صرف چار فیصد بچے ہی دینی مدارس میں تعلیم حاصل

کرتے ہیں افسوس وہ عصری تعلیم تو کجا دینی تعلیم میں بھی پسماندگی کا شکار ہیں۔ جبکہ عیسائی ۸۰ فیصد سکھ ۶۹ فیصد بدھ ۷۲ فیصد جین ۹۴ فیصد کے ساتھ تعلیمی میدان میں سب سے آگے ہیں۔ یہ غور وفکر کا مقام ہے کہ جس قوم کو سب سے پہلے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ جہاں یہ کہا گیا ہو "**طلب العلم فريضة على كل مسلم**" وہاں تو شرح خواندگی صد فی صد ہونی چاہئے، جس پیغمبر اسلام کے فرامین اوران پر نازل شدہ قرآن کریم کی بے شمار آیات علم وعلماء کی اہمیت وفضیلت کو اجاگر کرے اس دین کے ماننے والے تعلیم کے میدان میں افسوس ناک حد تک دیگر اقوام سے اس قدر پیچھے ہے۔

ہم یہ مانتے ہیں کہ تعلیم کے بغیر ترقی کا خواب دیکھنا ممکن نہیں ہے، ہم یہ تسلیم بھی کرتے ہیں کہ تعلیم کے ذریعے ہماری غربت وافلاس کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ ہمیں یہ احساس بھی ہے کہ تعلیم کے بغیر ہم دوسری قوموں کے ساتھ آگے نہیں بڑھ سکتے اور اس ملک کو ترقی کی بلندیوں پر لے جانے میں موثر کردار ادا نہیں کر سکتے۔

اس کے باوجود تعلیم سے غفلت کا یہ عالم ہے کہ مسلم بچوں کی ایک بڑی تعداد بڑے شہروں میں، ہوٹلوں میں اور کارخانوں میں کام کرتی ہے، ان کا محبوب مشغلہ گلیوں میں گولیاں کھیلنا، کیرم بورڈ کھینا، تاش کی پتیاں پلٹنا اور گالی گلوج کرنا رہ گیا ہے اور جو اسکول جاتے ہیں ان میں بیشتر ڈراپ آوٹ یعنی درمیان ہی میں تعلیم ترک کردیتے ہیں۔ اوران کے گارجین وسرپرست حضرات تعلیم پر خرچ کرنے میں تکلیف محسوس کرتے ہیں وہ اونچی بلڈنگیں تعمیر کرنے، عیش وعشرت کے اسباب سے اسے بچانے، بے جا اسراف کرنے، شادی بیاہ اور دیگر رسوم کی ادائیگی میں زمین بیچ کر بے دریغ خرچ کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ جاتے، سبق سکھانے کے چکر میں، انتقامی جذبات کی تسکین کے لئے عدالتوں کا چکر لگانے اور اپنی گاڑھی کمائی لٹا دینے میں بڑے تیز نظر آتے ہیں اور اسی اسراف وتبذیر میں ان کا سرمایہ لٹ جاتا ہے اور وہ بچوں کی اعلی تعلیم کے اخراجات کے متحمل نہیں ہوتے۔

تعلیمی پسماندگی کی ایک بڑی وجہ مسلم امت کا اس فکری بحران میں مبتلا ہونا بھی ہے کہ نوکریاں کہاں مل رہی ہیں، بچوں کو تعلیم یافتہ بنا کر ہم کون سا بڑا تیر مار لیں گے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ ہم انہیں کم عمری ہی سے روزگار سے جوڑ دیں تاکہ وہ مضبوط کیریر بنالیں ہمارے بعض اکابرین کے اس طرز عمل سے بھی سماج میں تعلیم کے فروغ اور شمع علم کو فروزاں کرنے میں دقتیں پیش آرہی ہیں اور تعلیمی پسماندگی کا مہیب سایہ دراز ہورہا ہے کہ انہوں نے اپنے زیر انتظام تعلیم گاہوں کو تجارت کا ذریعہ بنالیا ہے، زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی پالیسی اور کمر توڑ ڈونیشن کے مطالبے مسلم معاشرہ کے متوسط طبقہ کو تعلیم سے دور کرنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ ہماری پسماندگی اس وقت ختم ہوگی جب ہم یہ سمجھیں اور افراد معاشرہ کو سمجھائیں کہ دین اسلام چند مراسم عبودیت کی ادائیگی کا نام نہیں ہے بلکہ ہماری شریعت کامل وشامل ہے وہ زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری مکمل رہنمائی کرتی ہے، ہم جس طرح نماز روزہ کی حد تک اس کی تعلیمات تسلیم کرتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں، اسی طرح تعلیم، صحت، صنعت وتجارت، زراعت، سیاست وحکومت سے متعلق بھی کتاب وسنت کی ہدایات وتعلیمات کو قابل اعتناء سمجھیں۔

ہماری تعلیمی پسماندگی اس وقت ختم ہوگی جب مسلمانوں کے غریب وکمزور طبقے کے درمیان تعلیم کے تئیں فکری شعور کو بیدار کیا جائے۔ انہیں تعلیم کی اہمیت ومنفعت سے آگاہ کیا جائے انھیں یہ بتایا جائے کہ علم کی دولت لازوال ہے، اس کی پیاس کبھی نہیں بجھتی اور یہ عظمت انسانی کا محافظ ہے، کسی گھر کو خاندانی، تاریخی اور مثالی بنانے میں اس کا کردار اہم ہے، تاکہ تھوڑے منافع کے بدلے ملک کے نونہالوں کا مستقبل تاریک ہونے سے بچ جائے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری پسماندگی کا خاتمہ ہو اور ہم ایک ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ، مہذب ومحترم شہری کی حیثیت سے ابھریں تو ہمیں منظم اور منصوبہ بند جدوجہد کرنی ہوگی، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا ہوگا دینی وملی بیداری لانی ہوگی، دین سے وابستہ ہونے اور قوم کو وابستہ کرنے کی کوشش کے ساتھ اس کتاب عزیز کی روشنی میں مسائل کو حل کرنا ہوگا جس نے ہمیں سربلندی کا مژدہ سنایا ہے۔

ہزار طعنے ہزار شکوے ہزار باتیں غم والم کی
رکھے گا زخموں پہ کون مرہم خدا سے رشتہ اگر نہیں ہے
(اسلم کانپوریؒ)

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

شعبان ۱۴۴۴ھ کا چاند نظر آگیا

دہلی: ۲۱رفروری ۲۰۲۳ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی سے جاری اخباری بیان کے مطابق آج مورخہ ۲۹/رجب ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۱رفروری ۲۰۲۳ء بروز منگل بعد نماز مغرب بمقام اہل حدیث منزل، اردو بازار، جامع مسجد دہلی مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی کی ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی اور رؤیت ہلال ماہ شعبان کے سلسلے میں حسب سابق ملک کے اکثر صوبوں کے ذمہ داروں اور ملی تنظیموں سے بذریعہ فون رابطے کیے گئے جس میں کئی صوبوں سے رؤیت ہلال کی مصدقہ ومستند خبریں موصول ہوئیں۔ بنابریں مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل مورخہ ۲۲رفروری ۲۰۲۳ء، بروز بدھ، شعبان ۱۴۴۴ھ کی پہلی تاریخ ہوگی۔ ان شاءاللہ

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دھلی

مولانا ابو حمدان اشرف فیضی

رسول اکرم ﷺ کا تعامل غیر مسلموں کے ساتھ

سیرتوں میں سب سے پاکیزہ ومثالی سیرت اگر کسی کی ہے تو نبی رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ ہے، جس کی پاکیزگی کی گواہی خود عرش والے نے دی، جس کے اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کی شہادت دشمنوں نے دی، الصادق الامین کا حسین اعزاز اور خوبصورت لقب آپ کو مشرکین مکہ نے دیا، جو آپ کی دعوت کے مخالف تھے، دعوت کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے تھے، ہر طرح سے آپ کی مخالفت کرتے اور اذیت پہنچاتے، آپ کے قتل کے منصوبے بناتے، مگر جب بات آپ کے اخلاق وکردار کی آتی تو آپ کی زندگی کو صاف وشفاف اور بے داغ پاتے، اور آپ کے اعلیٰ اخلاق کی گواہی دیتے، آج ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر اخلاق نبوی پیدا کریں تاکہ جس طرح نبی ﷺ نے اپنے اخلاق حسنہ سے دشمنوں کے دلوں کو فتح کرلیا، سخت دلوں کو موم کردیا، اور آلودہ دلوں کو پاک کردیا، ہم بھی اسی طرح اخلاق حسنہ کے زیور سے مزین ہوکر لوگوں کو اللہ کی عبادت اور بندگی کی دعوت دیں اور شرک وبدعات کی گندگیوں سے پاک کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے آمین۔

وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ
(جگر مرادآبادی)

سیرت طیبہ کی معلومات ضروری کیوں؟ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کو جاننا اور سمجھنا بہت ضروری ہے کیوں کہ آپ کی سیرت کو ہم جتنا اچھی طرح جانیں گے اسی قدر آپ سے سچی محبت کریں گے اور آپ کی اطاعت وفرماں برداری کا جذبہ پیدا ہوگا، اللہ تعالیٰ کی معرفت، نبی ﷺ کی معرفت اور دین کی معرفت، دین کے اساسی امور میں سے ہے، جس کا جاننا ہر مسلمان پر لازم وضروری ہے، مگر افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت ان باتوں کی معرفت سے نابلد ہے، دنیا کے بارے میں بڑا گہرا علم رکھتے ہیں مگر دین کی اساسی معلومات سے بھی بے خبر ہوتے ہیں، دنیا کے فلمی اداکاروں، کھیل کے شہسواروں اور سیاست کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں بلکہ بڑی تفصیل سے آگاہی رکھتے ہیں، مگر دین کے بنیادی وضروری مسائل سے ہماری بے توجہی انتہائی کربناک اور باعث تشویش ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے اور قوم کے جیالوں کو دینی بصیرت عطا فرمائے آمین۔

سیرت طیبہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ کا تعامل اور سلوک وبرتاؤ غیر مسلموں کے ساتھ کیسا تھا؟ کیوں کہ ہم ایک مخلوط سماج اور ماحول میں رہتے اور بستے ہیں، جہاں ہماری گلی کوچوں، پاس پڑوس میں، محلوں اور بستیوں میں مسلمان آباد ہیں وہیں غیر مسلموں کی کثیر آبادی ہے، جن کے درمیان ہم اٹھتے، بیٹھتے ہیں، زندگی گزارتے ہیں، معاملات کرتے ہیں، خوشی وغم میں شریک ہوتے ہیں ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ہم معلوم کریں کہ ہمارا اخلاق وکردار، ہمارے معاملات، ہماری طرزِ زندگی ان کے ساتھ کیسی ہو؟ نبی ﷺ کا اسوہ حسنہ اس باب میں ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے؟ آپ ﷺ کا غیر مسلموں کے ساتھ سلوک وبرتاؤ کیسا تھا؟

نبی ﷺ کی رحمت غیر مسلموں کے لیے: جب انسانیت امن وسکون کی تلاش میں تھی، ہر طرف ظلم وستم کا بازار گرم تھا، عورتوں کی عزت وعصمت محفوظ نہ تھی، بچیوں کو زمین پر زندہ رہنے کا حق نہ تھا، غریبوں اور کمزوروں کو کچلا جارہا تھا، انسان درندہ بن چکا تھا، ایسے وقت میں اللہ ارحم الراحمین کو انسانیت کے حال پر رحم آیا اور نبی ﷺ کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔

آئے دنیا میں بہت پاک و مکرم بن کر
کوئی آیا نہ مگر رحمت عالم بن کر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ [الأنبياء: ۱۰۷]** اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: **إنما أنا رحمةٌ مُهداةٌ [مجمع الزوائد: ۸/۲۶۰، تخریج مشكاة المصابيح للالباني: ۵۷۳۷، صحيح، صحيح الجامع: ۲۳۴۵]** بے شک میں رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بلاشبہ آپ ﷺ کی رحمت سماج کے ہر طبقے کے لیے تھی، مسلمانوں کے لیے اور غیر مسلموں کے لیے، دوستوں اور دشمنوں کے لیے، اپنوں اور غیروں کے لیے، انسانوں اور جانوروں کے لیے، عورتوں اور مردوں کے لیے، مالکوں اور خادموں کے لیے، غریبوں، کمزوروں، مجبوروں اور مزدوروں کے لیے، الغرض پورے عالم کے لیے آپ رحمت بن کر آئے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا

مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا
(الطاف حسین حالی)

مکی زندگی میں جب کافروں کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم وستم بڑھنے لگا تو بعض مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی: ادْعُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ، آپ مشرکوں پر بددعا کردیں (تاکہ وہ ہلاک ہوجائیں) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً [صحيح مسلم: كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَابُ النَّهْيِ عَنْ لَعْنِ الدَّوَابِّ وَغَيْرِهَا: ۲۵۹۹] میں لوگوں پر لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسی طرح ایک مرتبہ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قبیلہ دوس کی مسلسل نافرمانی اور کفر وسرکشی کی شکایت کرتے ہوئے ان کے حق میں بددعا کی درخواست کی، بددعا کی طلب کے بعد نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، انہوں نے یہ سمجھا کہ اب تو قبیلہ دوس ہلاک ہوجائے گا کیوں کہ نبی ﷺ کے ہاتھ بددعا کے لیے اٹھ چکے ہیں، لیکن نبی ﷺ نے ان کی ہلاکت کی بددعا نہیں بلکہ ان کی ہدایت کی دعا مانگی، حدیث ملاحظہ فرمائیں: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَدِمَ الطُّفَيْلُ وَأَصْحَابُهُ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ دَوْسًا قَدْ كَفَرَتْ وَأَبَتْ، فَادْعُ اللَّهَ عَلَيْهَا، فَقِيلَ: هَلَكَتْ دَوْسٌ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِهِمْ [صحيح مسلم: كِتَابُ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ، بَابٌ مِنْ فَضَائِلِ غِفَارَ وَأَسْلَمَ وَجُهَيْنَةَ وَأَشْجَعَ وَمُزَيْنَةَ وَتَمِيمٍ وَدَوْسٍ وَطَيِّئٍ: ۲۵۲۴] طفیل اور ان کے ساتھی آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! دوس نے کفر اختیار کیا اور انکار کیا مسلمان ہونے سے تو بددعا کیجیے دوس کے لیے۔ کہا گیا تباہ ہوئے دوس کے لوگ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ! ہدایت کر دوس کو اور ان کو میرے پاس لے کر آ۔ اور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو بھی انسانیت کی بنیاد پر زمین پر بسنے والے ہر طبقے کے ساتھ رحم وکرم کرنے کی تعلیم دی، فرمایا: الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ [سنن الترمذي: أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الْمُسْلِمِينَ: ۱۹۲۴، صحيح، صحيح الجامع: ۳۵۲۲] رحم کرنے والوں پر رحمن رحم کرتا ہے، تم لوگ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

غیر مسلموں کے ساتھ حسن تعامل کا حکم: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ برائی کو بھلائی سے دفع کرو، نفرت کا جواب محبت سے دو، بداخلاقی کا جواب حسن اخلاق سے اور ظلم وزیادتی کا جواب عفو ودرگزر سے دو، فرمان باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ [فصلت: ۳۴] نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہوجائے گا جیسے دلی دوست۔ دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا [البقرة: ۸۳] اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔ نبی ﷺ نے بھی احادیث میں ساری انسانیت کے ساتھ اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ایسے شخص کو مثالی مومن قرار دیا ہے، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اتَّقِ اللَّهِ حيثُ ما كنتَ، وأتبعِ السَّيِّئةَ الحسنةَ تمحُها، وخالقِ النَّاسَ بخلقٍ حسنٍ [سنن الترمذي: أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي مُعَاشَرَةِ النَّاسِ: ۱۹۸۷] جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرو، برائی کے بعد (جو تم سے ہو جائے) بھلائی کرو جو برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آو۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: المسلمُ من سلم الناسُ من لسانه ويدِه، والمؤمنُ من أمنه الناسُ على دمائِهم وأموالِهم [سنن النسائي: كِتَابُ الْإِيمَانِ وَشَرَائِعِهِ، صِفَةُ الْمُؤْمِنِ: ۴۹۹۵، صحيح، أخرجه الترمذي: ۲۶۲۷، باختلاف يسير، وأحمد: ۸۹۱۸، واللفظ لهما] مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں، اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان ومال کے بارے میں اطمینان رکھیں۔ ظاہر ہے کہ لفظ ناس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہیں، اس لیے ہر ایک کے ساتھ ہمیں بلند اخلاق سے پیش آنا چاہیے، اللہ ہمیں توفیق دے آمین۔

غیر مسلموں کے ساتھ ایفائے عہد کا حکم: غیر مسلموں کے ساتھ اعلیٰ اخلاق کی بہت ساری مثالیں ہیں ان میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے غیر مسلموں سے کیے گئے عہد ومعاہدے کو بھی پورا کرنے کی ہدایت دی، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ [التوبة: ۴] بجز ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو، اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے: حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اپنے اور اپنے والد کے غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کا سبب ذکر کرتے

ہوئے فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد حسیل نکلے تو کفار قریش نے ہم کو پکڑ لیا اور کہا کہ تم لوگ محمد کے پاس جا رہے ہو؟ ہم نے کہا: ہم تو مدینہ جا رہے ہیں، تو انہوں نے ہم سے عہد و پیمان لیا کہ ہم واپس مدینہ جائیں گے اور آپ کے پاس جا کر آپ کے ساتھ مل کر قتال نہیں کریں گے، جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ کو پوری خبر دی تو آپ نے فرمایا: انْصَرِفَا، نَفِي لهم بعَهْدِهِمْ، وَنَسْتَعِينُ اللَّهَ عليهم [صحیح مسلم: ۱۷۸۷] تم لوگ واپس جاؤ، ہم ان سے کیے گئے عہد و پیمان کو پورا کریں گے اور ان کے مقابلے میں اللہ سے مدد طلب کریں گے۔ کتنا جھنجھوڑ دینے والا واقعہ ہے کہ جنگ میں جب کہ آپ کے پاس فوج کی کمی ہے اور کافروں کے پاس بڑی فوج ہے، ایسے نازک وقت بھی آپ نے غیر مسلموں سے کیے گئے عہد و پیمان کو پورا کیا۔ نیز کتاب و سنت میں ایفائے عہد کی جو تعلیم دی گئی ہے وہ صرف مسلمانوں کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ مسلم و غیر مسلم ہر ایک کے لیے عام ہے، جیسا کہ اللہ نے ایفائے عہد کا عمومی حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا [الإسراء: ۳۴] اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کا سوال ہوگا۔ دوسری آیت میں نیکی کا جامع تصور پیش کرتے ہوئے اسے بھی ایک عظیم نیکی بتایا ہے، ارشاد ربانی ہے: وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ [البقرة: ۱۷۷] اور جو اپنا عہد پورا کرنے والے ہیں جب عہد کریں۔ اسی طرح کامیاب مومنوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ [المؤمنون: ۸] اور وہی جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے ہیں۔ اور عہد شکنی کو نبی کریم ﷺ نے منافق کی نشانی قرار دیا ہے، فرمان نبوی ہے: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ [صحيح البخاري: كِتَابُ الْإِيمَانُ، بَابُ عَلَامَةِ الْمُنَافِقِ: ۳۴] عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: چار عادتیں جس کسی میں ہوں تو وہ خالص منافق ہے اور جس کسی میں ان چاروں میں سے ایک عادت ہو تو اس میں نفاق کی ایک عادت ہے، جب تک اسے نہ چھوڑ دے۔ (وہ یہ ہیں) جب اسے امین بنایا جائے تو (امانت میں) خیانت کرے اور بات کرتے وقت جھوٹ بولے اور جب (کسی سے) عہد کرے تو اسے پورا نہ کرے اور جب (کسی سے) لڑائی ہو جائے تو گالیوں پر اتر آئے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ مسلم غیر مسلم ہر ایک سے کیے گئے عہد و پیمان کو پورا کریں اور عہد شکنی سے بچیں، یہ ہمارے ایمان کی نشانی ہے اور مسلمانوں کی شناخت ہے، افسوس کہ آج مسلمانوں کے اندر اسلامی خوبیاں باقی نہ رہیں جس کی وجہ سے اپنوں اور غیروں میں ہمارا وقار مجروح ہو گیا اور ہم بدنام ہو گئے۔ الأمان والحفيظ۔

غیر مسلموں کے ساتھ انصاف کی تعلیم: یاد رکھیں کہ آج بھی اس ملک میں امن پسند اور انصاف پسند غیر مسلموں کی کثیر تعداد ہے جو ملک میں امن و شانتی اور انصاف کا ماحول دیکھنا چاہتے ہیں اور نفرت و تعصب کی آواز دبانا چاہتے ہیں، ایسے امن پسند اور انصاف پسند غیر مسلموں کے ساتھ بھلائی کرنے، حسن سلوک سے پیش آنے اور انصاف کرنے سے اللہ تعالیٰ ہمیں نہیں روکتا ہے بلکہ اس کی تعلیم دیتا ہے، ارشاد ربانی ہے: لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ [الممتحنة: ۸] جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا، ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: انصاف کو ہر جگہ قائم کرو یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ بھی اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں انصاف کرنے سے نہ روکے، فرمان باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ [المائدة: ۸] اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ ظلم ظلم ہے چاہے کوئی بھی کرے اور کسی کے ساتھ بھی ظلم ہو یہ مذموم عمل اور بزدلانہ حرکت ہے، اور مظلوم کوئی بھی ہو، کسی بھی دین دھرم سے تعلق رکھتا ہو وہ قابل رحم ہے اور اس کی آہ رب کی بارگاہ میں مقبول ہے، اس لیے مظلوم کی آہوں سے بچیں اور ظالم کو ظلم سے حتی المقدور روکیں اور مظلوم کے ساتھ ہمدردی کا ثبوت دیں، جیسا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک یہودی ایک مسلمان کے خلاف اپنے ظلم کی شکایت لے کر آیا، آپ نے شکایت سننے کے بعد سخت غصے کا اظہار کیا، حدیث میں ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ لوگوں کو ایک یہودی اپنا سامان دکھا رہا تھا لیکن اسے اس کی جو قیمت لگائی گئی اس پر وہ راضی نہ تھا۔ اس لیے کہنے لگا کہ ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں میں برگزیدہ قرار دیا۔ یہ لفظ ایک انصاری صحابی نے سن لیے اور کھڑے ہو کر انہوں نے ایک تھپڑ اس کے منہ پر مارا اور کہا کہ نبی کریم ﷺ ابھی ہم میں موجود ہیں اور تو اس طرح قسم کھاتا ہے کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں میں برگزیدہ قرار دیا۔ اس پر وہ یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے ابو القاسم! میرا مسلمانوں کے ساتھ امن اور صلح کا عہد و پیمان ہے۔ پھر فلاں شخص کا کیا حال ہو گا جس نے میرے منہ پر چانٹا مارا ہے، نبی کریم ﷺ نے

اس صحابی سے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کے منہ پر کیوں چانٹا مارا؟ انہوں نے وجہ بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصے ہو گئے اس قدر کہ غصے کے آثار چہرہ مبارک پر نمایاں ہو گئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء میں آپس میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دیا کرو، جب صور پھونکا جائے گا تو آسمان وزمین کی تمام مخلوق پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی، سوا ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور سب سے پہلے مجھے اٹھایا جائے گا، لیکن میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے کھڑے ہوں گے، اب مجھے معلوم نہیں کہ یہ انہیں طور کی بے ہوشی کا بدلا دیا گیا ہوگا یا مجھ سے بھی پہلے ان کی بے ہوشی ختم کر دی گئی ہوگی [صحیح البخاري: كِتَابُ أَحَادِيثُ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ: ۳۴۱۴]

غیر مسلموں کی جان کی حفاظت: دین اسلام میں جان کس قدر محترم ہے اور جان کی حفاظت پر کتنا زور دیا گیا ہے اور جانوں کو ہلاک کرنے اور ناحق کسی کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اسے جرم عظیم بتایا گیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ؕ [الإسراء: ۳۳] اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ہرگز ناحق قتل نہ کرنا۔ مزید اس کی سنگینی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ [المائدة: ۳۲] اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔ یہ دین اسلام کی خصوصیت ہے، جیسا کہ غیر مسلم ذمی کے قتل کو کتنا سنگین گناہ بتایا ہے، اس حدیث سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے: مَن قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِن مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا جس نے کسی ذمی کو (ناحق) قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی راہ سے سونگھی جا سکتی ہے [صحیح البخاري: كِتَابُ الْجِزْيَةِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا بِغَيْرِ جُرْمٍ: ۳۱۶۶] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں انسانی جانوں کا کتنا احترام تھا کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے، آپ سے کہا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا، تو آپ نے فرمایا: أَلَيسَتْ نَفْسًا [صحیح البخاري: كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَنْ قَامَ لِجَنَازَةِ يَهُودِيٍّ: ۱۳۱۲] کیا یہودی کی جان جان نہیں ہے؟ معلوم ہوا کہ جان جان ہے چاہے وہ کسی مسلمان کی جان ہو یا غیر مسلم کی جان ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے احترام کی تعلیم دی ہے۔

غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم:

کتاب وسنت میں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی سخت تاکید وارد ہے اور کسی بھی شکل میں ایذاء رسانی سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَاۙ [النساء: ۳۶] اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں، (غلام کنیز) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔ حدیث میں ہے: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ [صحیح مسلم: كِتَابُ الْإِيمَانُ، بَابُ إِكْرَامُ الْجَارِ وَالضَّيْفِ: ۴۸] جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ دوسری حدیث میں ہے: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ [صحیح مسلم: كِتَابُ الْإِيمَانُ، بَابُ إِكْرَامُ الْجَارِ وَالضَّيْفِ: ۴۷] جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائے۔

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ پڑوسی میں مسلم، کافر، عابد، فاسق، دوست، دشمن، اجنبی، شہری، فائدہ مند، نقصاندہ، قریبی، اجنبی، جس کا گھر قریب ہو، جس کا گھر دور ہو سب "جار" میں شامل ہیں، البتہ سب کے مراتب ودرجات متفاوت ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: واسم الجار يشمل المسلم والكافر والعابد والفاسق والصديق والعدو والغريب والبلدي والنافع والضار والقريب والأجنبي والأقرب دارا والأبعد وله مراتب بعضها أعلى من بعض فأعلاها من اجتمعت فيه الصفات الأول كلها ثم أكثرها وهلم جرا إلى الواحد وعكسه من اجتمعت فيه الصفات الأخرى كذلك فيعطى كل حقه بحسب حاله وقد تتعارض صفتان فأكثر فيرجح أو يساوى [فتح الباري: ۱۰/۴۴۱، عمدة القاري: ۳۲/۱۹۷] اسی طرح علماء فرماتے ہیں کہ غیر مسلم پڑوسی کو حق جوار حاصل ہوتا ہے، کیوں کہ پڑوسی تین طرح کے ہوتے ہیں: ۱۔ جسے صرف ایک حق حاصل ہوتا ہے، پڑوسی کا حق، جیسے غیر مسلم پڑوسی۔ یہ سب سے ادنیٰ درجے کا پڑوسی ہے۔ ۲۔ جسے دو حق حاصل ہوتا ہے، جیسے: مسلمان پڑوسی، ایک پڑوسی کا حق، دوسرے اسلام کا حق۔ ۳۔ جسے تین حق حاصل ہوتا ہے، جیسے: مسلمان رشتے دار

پڑوسی، حق الجار والاسلام والرحم، ایک پڑوسی کا حق، دوسرے اسلام کا حق، تیسرے رشتے داری کا حق، اور یہ سب سے افضل پڑوسی ہے۔

صحابہ کرام غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ کتنا حسن سلوک کرتے تھے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ بکری ذبح کی تو اپنے اہل خانہ سے کہا: أهْدَيتُم لجاري اليهوديِّ؟ کیا تم نے میرے یہودی پڑوسی کو گوشت کا تحفہ بھیجا؟ اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ما زال جبريلُ يُوصيني بالجارِ، حتى ظننتُ أنّه سيوَرِّثُه، مجھے جبریل برابر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ اسے وراثت میں بھی شریک کردیں گے [شعيب الأرنؤوط: ۱۴۳۸، تخريج سنن أبي داود: ۵۱۵۲، إسناده صحيح] معلوم ہوا کہ ہمارے پاس پڑوس میں جو بھی غیر مسلم رہتے ہیں وہ ہمارے حسن سلوک کے مستحق ہیں، ہم ہر طرح سے ان کا خیال رکھیں، اسلام کی ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے بڑا فائدہ ہوگا، وہ ہمارے اخلاق وکردار سے متاثر ہوکر آہستہ آہستہ اسلام سے قریب ہوں گے، نفرتیں ختم ہوں گی، بدگمانیاں دور ہوں گی، خوشگوار ماحول قائم ہوگا۔ ان شاءاللہ۔

غیر مسلم والدین کے ساتھ حسن سلوک: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا [لقمان: ۱۵] دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ۔ اسی طرح اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی مشرکہ ماں ان کے پاس آئیں تو انہوں نے نبی ﷺ سے اپنی مشرکہ ماں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: صِلِي أُمَّكِ [صحيح البخاري: كِتَابُ الْهِبَةِ وَفَضْلِهَا وَالتَّحْرِيضِ عَلَيْهَا، بَابُ الْهَدِيَّةِ لِلْمُشْرِكِينَ: ۲۶۲۰] اپنی مشرکہ ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

کافر قیدیوں کے ساتھ نبی ﷺ کا تعامل: دنیا جانتی ہے کہ قیدیوں کے ساتھ کیسا ناروا سلوک کیا جاتا ہے مگر نبی کریم ﷺ نے کافر قیدیوں کے ساتھ بھی اعلیٰ اخلاق اور حسن تعامل کی تعلیم دی ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے: استوصوا بالأسارى خيرًا [مجمع الزوائد: ۸۹/۶، إسناده حسن] قیدیوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔ حکم رسول پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام خود کھجوریں کھا کر گزارا کرلیتے تھے مگر قیدیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے تھے۔ غزوہ حنین کے قیدیوں کو بغیر معاوضے کے آپ نے معاف کردیا۔ اسی طرح ثمامہ بن اثال کی گرفتاری اور رہائی کا واقعہ کتب احادیث میں مشہور ہے، صحیح بخاری میں ہے: نبی کریم ﷺ نے نجد کی طرف کچھ سوار بھیجے وہ قبیلہ بنو حنیفہ کے (سرداروں میں سے) ایک شخص ثمامہ بن اثال نامی کو پکڑ کر لائے اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور پوچھا ثمامہ تو کیا سمجھتا ہے؟ (میں تیرے ساتھ کیا کروں گا؟) انہوں نے کہا: اے محمد (ﷺ)! میرے پاس خیر ہے (اس کے باوجود) اگر آپ مجھے قتل کردیں تو آپ ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جو خونی ہے، اس نے جنگ میں مسلمانوں کو مارا ہے اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک ایسے شخص پر احسان کریں گے جو (احسان کرنے والے کا) شکر ادا کرتا ہے لیکن اگر آپ کو مال مطلوب ہے تو جتنا چاہیں مجھ سے مال طلب کرسکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ وہاں سے چلے آئے، دوسرے دن آپ نے پھر پوچھا: ثمامہ اب تو کیا سمجھتا ہے؟ انہوں نے کہا: وہی جو میں پہلے کہہ چکا ہوں، کہ اگر آپ نے احسان کیا تو ایک ایسے شخص پر احسان کریں گے جو شکر ادا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ پھر چلے گئے، تیسرے دن پھر آپ نے ان سے پوچھا: اب تو کیا سمجھتا ہے ثمامہ؟ انہوں نے کہا کہ وہی جو میں آپ سے پہلے کہہ چکا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ ثمامہ کو چھوڑ دو (رسی کھول دی گئی) تو وہ مسجد نبوی سے قریب ایک باغ میں گئے اور غسل کرکے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور پڑھا: أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا رسول الله، اور کہا: اے محمد ﷺ! اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ میرے لیے برا نہیں تھا لیکن آج آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ میرے لیے محبوب نہیں ہے۔ اللہ کی قسم کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مجھے برا نہیں لگتا تھا لیکن آج آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ اور عزیز ہے۔ اللہ کی قسم! کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ برا مجھے نہیں لگتا تھا لیکن آج آپ کا شہر میرا سب سے زیادہ محبوب شہر ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے پکڑا تو میں عمرہ کا ارادہ کرچکا تھا۔ اب آپ کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بشارت دی اور عمرہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ مکہ پہنچے تو کسی نے کہا کہ تم بے دین ہو گئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں محمد ﷺ کے ساتھ ایمان لے آیا ہوں اور اللہ کی قسم! اب تمہارے یہاں یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک نبی کریم ﷺ اجازت نہ دے دیں [صحيح البخاري: كِتَابُ الْمَغَازِي، بَابُ وَفْدِ بَنِي حَنِيفَةَ، وَحَدِيثِ ثُمَامَةَ بْنِ أُثَالٍ: ۴۳۷۲]

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے
(جگر مرادآبادی)

یہ تھا ایک کافر قیدی کے ساتھ نبی ﷺ کا حسن تعامل، جس سے وہ متاثر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوگئے اور ان کے دل کی دنیا بدل گئی، اور شدید بغض ونفرت والہانہ عقیدت ومحبت میں تبدیل ہوگئی۔ رضي الله عنه وارضاه۔

ظالموں، جاہلوں اور دشمنوں کے ساتھ نبی ﷺ کا تعامل: نبی کریم ﷺ نے ہر ایک کے ساتھ اعلیٰ ومثالی اخلاق وکردار کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ ظالموں، جاہلوں، جابروں، جانی دشمنوں، شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں کو آپ نے اپنے دامن عفو میں جگہ دی اور کبھی ان کی گستاخانہ حرکتوں کا

مسکرا کر جواب دیا کبھی کہا: اللّٰھمَّ اغفِرْ لقومی فإنَّھم لا یعلَمون۔ اور کبھی ان کی ہدایت کے لیے دعائیں دی: اللّٰھمَّ اھدِ قومی فإنَّھم لا یعلمون۔

ظالم سے لیا ظلم کا بدلہ نہ کسی وقت
مارا بھی تو اخلاق کی تلوار سے مارا

اس سلسلے میں بعض واقعات ملاحظہ فرمائیں:

غزوہ احد: غزوۂ احد میں نبی ﷺ کے رباعی دانت شہید کر دیئے گئے، پیشانی زخمی کر دی گئی، رخسار پر بہنے والے خون کو ہاتھوں سے صاف کر رہے تھے، مگر ایسے وقت بھی خون آلود ہاتھوں کو اٹھا کر ان کے حق میں دعا کر رہے تھے، اللّٰھمَّ اغفر لقومی فإنّھم لا یعلمونَ [السلسلة الصحيحة: ۵۳۲/۷، إسناده حسن أو صحيح]

طائف کا سفر: طائف کا سفر آپ کی زندگی کا سب سے زیادہ تکلیف دہ سفر تھا، جنہوں نے نہ صرف آپ کی دعوت کا انکار کیا بلکہ آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہاڑوں پر مقرر فرشتہ آپ سے اجازت مانگ رہا تھا: إنْ شِئْتَ أنْ أُطبِقَ علیھِمُ الأخْشَبَیْنِ؟ اگر آپ چاہیں تو میں دونوں طرف کے پہاڑ ان پر لا کر ملا دوں (جن سے وہ چکنا چور ہو جائیں) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بَلْ أرْجُو أنْ یُخْرِجَ اللهُ مِن أصْلابِھِمْ مَن یَعْبُدُ اللهَ وحْدَہُ، لا یُشْرِكُ به شيئًا [صحيح البخاري: كِتَابُ بَدْءِ الْخَلْقِ، بَابٌ إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ، آمِينَ، وَالْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ، فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ: ۳۲۱۳] مجھے تو اس کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کرے گی، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔

فتح مکہ کی معافی کا واقعہ: فتح مکہ کے موقع پر سارے ظالم وجابر سر جھکائے آپ کے پاس موجود تھے، اگر آپ چاہتے تو سابقہ ایک ایک ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے مگر آپ نے ان کے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ کیا اور انہیں چھوڑ دیا۔

ایک جاہل اعرابی کا واقعہ: حدیث میں ہے: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الْحَاشِيَةِ، فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَذَبَهُ جَذْبَةً شَدِيدَةً، حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عَاتِقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَثَّرَتْ بِهِ حَاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهِ، ثُمَّ قَالَ: مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي عِنْدَكَ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ [صحيح البخاري: كِتَابُ فَرْضِ الْخُمُسِ، بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ يُعْطِي الْمُؤَلَّفَةَ قُلُوبُهُمْ وَغَيْرَهُمْ مِنَ الْخُمُسِ: ۳۱۴۹] انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نجران کی بنی ہوئی چوڑے حاشیہ کی ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی نے آپ ﷺ کو گھیر لیا اور زور سے آپ کو کھینچا، میں نے آپ کے شانے کو دیکھا، اس پر چادر کے کونے کا نشان پڑ گیا، ایسا کھینچا۔ پھر کہنے لگا۔ اللہ کا مال جو آپ کے پاس ہے اس میں سے کچھ مجھ کو دلائیے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے اسے دینے کا حکم فرمایا۔ سبحان اللہ! ظلم وزیادتی اور گستاخی وبے ادبی کا جواب ہنس کر، مسکرا کر اور نواز کر۔ ہمارا اخلاق وکردار اور تعامل وبرتاؤ ہر ایک کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

یہودیوں کی گستاخانہ حرکت کا جواب: یہودی مختلف طریقے سے نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچاتے تھے اور آپ کی شان میں گستاخی کرتے تھے، جیسا کہ حدیث میں ہے: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ يَهُودَ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: عَلَيْكُمْ، وَلَعَنَكُمُ اللَّهُ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ، قَالَ: مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ، قَالَتْ: أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ: أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ؟ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ، فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ، وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ [صحيح البخاري: كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابٌ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا: ۶۰۳۰] عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے یہاں آئے اور کہا: السَّامُ عَلَيْكُمْ (تم پر موت آئے) اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: عَلَيْكُمْ، وَلَعَنَكُمُ اللَّهُ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ، کہ تم پر بھی موت آئے اور اللہ کی تم پر لعنت ہو اور اس کا غضب تم پر نازل ہو۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (ٹھہرو) عائشہ! نرم خوئی اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے بچو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے ان کی بات نہیں سنی؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے انہیں میرا جواب نہیں سنا؟ میں نے ان کی بات انہیں پر لوٹا دی۔ اور ان کے حق میں میری بددعا قبول ہو جائے گی۔ لیکن میرے حق میں ان کی بددعا قبول ہی نہ ہوگی۔

یہودیہ عورت کے ساتھ نبی ﷺ کا تعامل: اسی طرح جب یہودیہ عورت سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے زہر آلود گوشت کھلا کر نبی ﷺ کو ہلاک کرنے کی ناپاک کوشش کی، صحابہ کرام نے اس وقت اسے قتل کرنے کی آپ سے اجازت مانگی تو آپ نے اجازت نہیں دی، جیسا کہ حدیث میں ہے: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِيءَ بِهَا، فَقِيلَ: أَلَا نَقْتُلُهَا؟ قَالَ: لَا، فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [صحيح البخاري: كِتَابُ الْهِبَةِ وَفَضْلِهَا وَالتَّحْرِيضِ عَلَيْهَا، بَابُ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ مِنَ الْمُشْرِكِينَ: ۲۶۱۷] انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں زہر ملا ہوا بکری کا

گوشت لائی، آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ کھایا (لیکن فوراً ہی فرمایا کہ اس میں زہر پڑا ہوا ہے) پھر جب اسے لایا گیا (اور اس نے زہر ڈالنے کا اقرار بھی کرلیا) تو کہا گیا: کیا ہم اسے قتل نہ کردیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: نہیں۔ فرمایا: اس زہر کا اثر میں نے ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے تالو میں محسوس کیا۔ سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ: آپ کے ساتھی بشر بن براء بن معرور کا وہ گوشت کھانے سے انتقال ہو گیا، علماء کرام نے تطبیق کی شکل یہ ذکر کی ہے کہ: عورت کے اعتراف کے فوراً بعد جب صحابہ کرام نے قتل کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اس وقت قتل کی اجازت نہیں دی مگر جب آپ کے ساتھی کا اس کی وجہ سے انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس عورت کو بشر بن براء بن معرور کے اولیاء کے حوالے کیا تاکہ بطور قصاص اسے قتل کردیں [شرح صحيح مسلم للنووي: ۱۷۹/۱۴، منة المنعم في شرح مسلم: ۴۵۰/۳]

ایک اعرابی کا واقعہ: اسی طرح غَوْرَث بنُ الحارِثِ دیہاتی کا واقعہ مشہور ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف غزوہ کے لیے گئے۔ دوپہر کا وقت ہوا تو آپ ایک جنگل میں پہنچے جہاں ببول کے درخت بہت تھے۔ آپ نے گھنے درخت کے نیچے سایہ کے لیے قیام کیا اور درخت سے اپنی تلوار لٹکا دی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی درختوں کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے پھیل گئے۔ ابھی ہم اسی کیفیت میں تھے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں پکارا۔ ہم حاضر ہوئے تو ایک بدوی آپ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص میرے پاس آیا تو میں سو رہا تھا۔ اتنے میں اس نے میری تلوار کھینچ لی اور میں بھی بیدار ہو گیا۔ یہ میری ننگی تلوار کھینچے ہوئے میرے سر پر کھڑا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا آج مجھ سے تمہیں کون بچائے گا؟ میں نے کہا کہ اللہ! (وہ شخص صرف ایک لفظ سے اتنا مرعوب ہوا کہ) تلوار کو نیام میں رکھ کر بیٹھ گیا اور دیکھ لو۔ یہ بیٹھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے اسے کوئی سزا نہیں دی [صحيح البخاري: كِتَابُ الْمَغَازِي، بَابُ غَزْوَةُ بَنِي الْمُصْطَلِقِ: ۴۱۳۹] سبحان اللہ! ایک جانی دشمن کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا یہ حسن تعامل کہ اسے معاف کردیا اور سزا نہیں دی۔

غیر مسلموں کی عیادت: احادیث میں بیماروں کی عیادت کی تعلیم دی گئی ہے اور اسے بڑا مبارک عمل بتایا گیا ہے، متعدد حدیثوں میں بیمار پرسی کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، یہ بھی اسلام کی وہ عظیم الشان تعلیم ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے، بلکہ جو بھی بیمار انسان ہو اس کے ساتھ انسانیت کے رشتے سے ہمدردی کی جائے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا عمومی فرمان ہے: أَطْعِمُوا الجائِعَ، وعُودُوا المَرِيضَ، وفُكُّوا العانِيَ [صحيح البخاري: كِتَابُ الْمَرْضَى، بَابُ وُجُوبِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ: ۵۶۴۹] بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور مریض کی عیادت یعنی مزاج پرسی کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔ اسی طرح حدیث میں ہے، براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ، وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ.. الحديث [صحيح البخاري: كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ حَقِّ إِجَابَةِ الْوَلِيمَةِ وَالدَّعْوَةِ: ۵۱۷۵] رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع کیا، آپ ﷺ نے ہمیں مریض کی عیادت کا حکم دیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ نبی ﷺ نے امت کے سامنے عملی نمونہ بھی پیش کیا، جیسا کہ حدیث میں ہے: كانَ غُلامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النبيَّ ﷺ، فَمَرِضَ، فأتاهُ النبيُّ ﷺ يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَقالَ له: أَسْلِمْ، فَنَظَرَ إلى أَبِيهِ وهو عِنْدَهُ فَقالَ له: أَطِعْ أَبا القاسِمِ ﷺ فأسْلَمَ، فَخَرَجَ النبيُّ ﷺ وهو يقولُ: الحَمْدُ لِلَّهِ الذى أَنْقَذَهُ مِنَ النّارِ [صحيح البخاري: كِتَابُ الْجَنَائِزُ، بَابُ إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ، هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ؟: ۱۳۵۶] ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک دن وہ بیمار ہو گیا۔ آپ ﷺ اس کا مزاج معلوم کرنے کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ مسلمان ہو جا۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، باپ وہیں موجود تھا۔ اس نے کہا کہ (کیا مضائقہ ہے) ابوالقاسم ﷺ جو کچھ کہتے ہیں مان لے۔ چنانچہ وہ بچہ اسلام لے آیا۔ جب نبی کریم ﷺ باہر نکلے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شکر ہے اللہ پاک کا جس نے اس بچے کو جہنم سے بچا لیا۔ غور کیجئے کہ کس طرح آپ کی عیادت اس یہودی غلام کی ہدایت کا ذریعہ بن گئی، اس طرح سے اگر ہم اسلام کی ان زریں تعلیمات پر عمل کریں تو لوگ اسلام سے قریب ہوں گے اور نفرتوں کا بھی خاتمہ ہوگا، ان شاء اللہ۔ افسوس کہ آج مسلمان ان تعلیمات کو بھلا دیے ہیں اور عیسائی مشنریاں انہیں تعلیمات کو اپنا کر عیسائیت کو بڑی تیزی سے پھیلا رہی ہیں۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا
کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دوسرا کا
خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا
یہ ہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

(مسدس حالی)

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو بیدار کرے اور انہیں نیک توفیق دے اور ہمیں ہر ایک ساتھ اعلیٰ اخلاق اور حسن تعامل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

حضرت العلام
قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر کے نمونے

وحشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا امیر حمزہ ؓ کو دھوکا سے مار کر ناک کان وغیرہ کاٹے، کلیجہ نکالا۔ پھر بھی جب سامنے آکر معافی کا خواستگار ہوا۔ تو معاف کر دیا۔

ہبار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب کے نیزہ مارا۔ وہ ہودج سے گر گئیں حمل ساقط ہوگیا اور اسی صدمہ سے کچھ عرصہ بعد مر گئیں۔ جب ہبار نے سامنے آکر عفو کے لئے التجا کی۔ تو معاف کر دیا۔

ایک درخت کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، تلوار شاخ سے لٹکا دی۔ ایک دشمن آیا۔ تلوار نکال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گستاخانہ جگایا اور بولا، اب کون تم کو بچائے گا، فرمایا ''اللہ'' وہ شخص ہیبت زدہ ہو کر چکر کھا کر گر پڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اٹھائی۔ فرمایا کہ اب تجھے کون بچا سکتا ہے؟ وہ حیران ہوگیا۔ فرمایا جاؤ میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔ بلکہ بتلانے آیا ہوں کہ دشمن پر یوں رحم کیا کرتے ہیں۔

خیال فرمایئے کہ جب سگی بیٹی، حقیقی چچا اور خاص نفس مبارک کے قاتل کو معاف کر دیا۔ تو اس سے بڑھ کر کون سی بات باقی رہ گئی۔ جس سے منکسر المزاجی اور امن پسندی کا اظہار ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد آپ ان پاک نہادوں کے حالات پر نظر ڈالیں۔ جنھوں نے سبقت کرکے داعی ربانی کو لبیک کہا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی استقامت اور استقلال: یہ امر صاف اور روشن ہے کہ اجبار و اکراہ سے نفرت و بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ اور بیزاری اور نفوری سے عداوت کی زہر بڑھتی ہے۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس بات کو بفرض محال تسلیم بھی کر لیں۔ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا تھا۔ تو خیال کرو کہ اس کا نتیجہ کیا ہونا چاہئے تھا۔

اس کا لازمی اور ضروری نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ سب لوگ جن سے بزور شمشیر کلمہ پڑھوایا گیا تھا۔ اسلام کے لئے مار آستین کا کام دیتے اور موقعہ ملنے پر اسلام کو بن و بیخ سے اکھاڑ پھینکنے میں سعی کرتے۔ لیکن جن لوگوں نے تاریخ اسلام کو پڑھا اور مسلمانوں کے خلوص وصدق کے تاریخی واقعات کو ملاحظہ کیا ہے۔ انہیں نہایت ہی دلفریب چمنستان کا ایک نظارہ دیکھنا نصیب ہوگا۔

ایک بار حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں سر بہ سجدہ تھے۔ ظالم عقبہ بن ابی معیط نے آکر گردن میں چادر ڈال کر ایسے زور سے لپیٹ دینے شروع کیے کہ گلوئے مبارک گھٹ کر آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اللہ اکبر حضورؐ کا استغراق بھی کیسا تھا۔ کہ جو سر مالک کے سامنے جھک چکا تھا۔ اس میں باوجود اس قدر جسمانی تکلیف کے بھی ذرا ادھر ادھر جنبش نہ ہوئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچ گئے۔ جنھوں نے اسے دھکا دے کر ہٹایا اور زبان سے یہ آیت بھی پڑھ کر سنائی۔ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاء کم بالبینت کیا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جرم میں مارتے ہو کہ وہ پروردگار عالم کو اپنا معبود کہتے ہیں اور اپنی سچائی کے لئے تمہارے سامنے بینات (معجزہ و براہین) بھی پیش فرماتے ہیں۔ یہ شقی اور اس کے (اعوان) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر صدیق رضی اللہ عنہ سے چمٹ گئے۔ ایک داڑھی کھینچتا تھا۔ دوسرے نے سر کے بال پکڑ رکھے تھے۔ ایک زدوکوب کر رہا تھا حتی کہ صدیق رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور وہ ان کو نیم مردہ کر کے چلے گئے۔

صدیق وہ شخص تھے۔ جن کے تاجرانہ تعلقات نہایت وسیع تھے۔ سینکڑوں اشخاص کا ان سے داد وستد تھا۔ بیسیوں ان کے مقروض تھے۔ بایں ہمہ مذہبی مخالفت کی وجہ سے ایسے مقتدر شخص کی یہ حالت کی جاتی تھی، رہے ضعیف مسلمان، ان بے چاروں کی کچھ نہ پوچھو۔ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ معہ اپنے والد یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور والدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مسلمان ہوگئے۔ ابوجہل نے بی بی سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رانوں کے درمیان نیزہ مار کر ان کا شکم چاک کر دیا۔ یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نوک شمشیر وسنان نیزہ سے زخمی اور پتھروں سے سنگ بار کر کے شہید کیا۔ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ابھی دنیا پر باقی رکھنا تھا۔ وہ اگرچہ باپ کے ساتھ ہر ایک دکھ میں شریک تھے۔ مگر جان بر ہوگئے۔

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں سونپ دی جاتی۔ وہ ان کو گلی کوچے، محلوں، بازاروں میں کھینچتے کھینچتے لئے پھرتے۔ جب دوپہر ہو جاتی۔ تو گرم پتھروں پر لٹا کر ایک دوسرا گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا۔ لیکن یہ تھے اللہ کے مقبول بندے کہ زبان سے آواز نکلتی تھی تو ھو اللہ احد احد

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ سردار زادہ تھے۔ ۱۶ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے باپ اور چچا کو خبر ہوئی۔ تو ان کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر کھڑا کر دیتے اور نیچے سے دھواں کر دیتے کہ کسی طرح اسلام کو چھوڑ دے۔ لیکن اسلام وہ چیز نہ تھا۔ جو ان سابقین کے دل سے نکل جاتا۔

عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رحم دل عیسائیوں کے ہاتھ میں اسیر ہو گئے تھے۔قیصر کے سامنے کئے گئے۔اس نے ترک اسلام کا حکم دیا۔انھوں نے انکار کیا قیصر نے خفا ہوکر حکم دیا کہ پھانسی کے تختہ کے ساتھ باندھ دیئے جاویں تین شبانہ روز کے بعد اتار کر پھر ترک اسلام کے لئے کہا گیا۔انہوں نے پہلے سے زیادہ استقلال کے ساتھ انکار کر دیا۔اس وقت کھولتے ہوئے پانی کی دیگ میں ان کو بٹھلایا گیا۔تمام بدن پر پھپولے پڑ گئے۔لیکن ثبات واستقلال میں ذرا جنبش نہ ہوئی قیصر نے کہا چھوڑ دو۔پھر پاس بلا کر کہا کہ تم کو اسلام کے لئے نہایت تکلیف دی گئی۔تم اس سے باز نہ آئے اس کی وجہ؟ فرمایا؛ کاش میں دنیا میں سو دفعہ پیدا کیا جاؤں اور ہر دفعہ اسلام کے لئے ایسے ہی مصائب خوشی کے ساتھ گوارا کرتا رہوں۔

حبیب بن زید مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسیلمہ کذاب نے گرفتار کرلیا تھا۔جب پوچھتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کیا سمجھتا ہے؟ تو فرماتے رسول اللہ جب وہ پوچھتا کہ میری رسالت کا بھی اقرار کرتا ہے۔یا نہیں تو فرمادیتے کہ مجھے اور کوئی بات سنائی نہیں دیتی۔مسیلمہ کذاب نے خفا ہوکر حکم دیا کہ ان کا ایک ایک جوڑ بند بند سے جدا کرتے رہو اور پھر ایک ایک عضو کے کاٹنے کے بعد یہی سوال کرتے رہو مگر اس اللہ کے مقبول نے اپنے جواب کے یہی لفظ رکھے کہ محمد کو اللہ کا رسول جانتا ہوں اور دوسری بات کوئی مجھے سنائی نہیں دیتی۔

حبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلیغ الارض کو قریش نے پکڑ لیا۔کچھ عرصہ تک قید رکھنے کے بعد پھانسی دینے کے لئے باہر نکالا۔پھانسی کے نیچے جا کر کہا۔کہ اسلام چھوڑ دو تجھے آزاد کر دیا جائے گا۔تو انہوں نے فرمایا،بخدائے رب العزت اگر روئے زمین کی سلطنت بھی میرے سامنے پیش کرو تو ترک اسلام کا نام نہ لوں گا۔قریش نے کہا۔بھلا تو پسند کرتا ہے کہ اپنے گھر میں صحیح وسلامت ہوتا۔اور یہاں تیری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قید ہوتے۔فرمایا کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ حضورؐ کے پائے مبارک میں ایک کانٹا لگ کر بھی میری جان بچ جائے۔پھانسی پر نہایت استقلال اور کشادہ پیشانی کے ساتھ چڑھ گئے۔اور چند اشعار سریلی آواز میں پڑھ کر سنائے۔

جب نکلتی جان ہے اسلام پر	تب نہیں پرواہ مجھ کو جان کی
کیوں نہ دوں کامل خوشی سے اپنی جاں	چاہئے مجھ کو رضا رحمان کی
آرزو پنہاں میرے سینہ میں تھی	اس دل مشتاق پر ارمان کی
آنکھ کر لیتی زیارت وقت نزع	داعی حق ہادی ایمان کی
اے خدا پہنچا میرا ان کو سلام	جان جن پر میں نے ہے قربان کی

اے اہل انصاف میں تم سے پوچھتا ہوں کہ یہ محبت یہ استقامت کیا ان لوگوں میں ہو سکتی ہے۔جن کا پیارا آبائی مذہب بزور شمشیر چھڑایا گیا ہو اور جسے مجبور کر کے نئے دین کا کلمہ گو بنایا گیا ہو۔لا واللہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔(خطبات سلیمان)

شرائط حصول تصدیق نامہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

(۱)وہ طلباء جو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرونی جامعات میں داخلے کے خواہش مند ہوں اور انہیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا توصیہ مطلوب ہو وہ درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، تعلیمی اسناد کی مصدقہ فوٹو کاپی دو اساتذہ کا تزکیہ اور صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا تزکیہ دفتر میں جمع کریں۔مذکورہ معلومات وکاغذات کی روشنی میں غور کرنے کے بعد ہی توصیہ جاری کیا جائے گا۔

(۲)وہ ذمہ داران معاہد ومدارس وجامعات جنہیں حصول تعاون کے لیے مرکزی جمعیت کا توصیہ یا اس کی تجدید مطلوب ہو، درج ذیل شرائط کی تکمیل کے بعد توصیہ حاصل کرسکتے ہیں:

(الف) ادارے کے لیٹر ہیڈ پر توصیہ کے لیے ذمہ دار ادارہ کی جانب سے اصل درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

(ب)متعلقہ صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا، امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت کے نام سفارشی خط یا نئی تصدیق جس میں معیار تعلیم، تعداد طلبہ واساتذہ مذکور ہو۔

(ج)جمعیت کے شعبۂ احصائیات برائے مدارس میں اندراج۔

(د)جمعیت کے آرگن پندرہ روزہ ''جریدہ ترجمان''(اُردو)، ماہنامہ ''اصلاح سماج''(ہندی)، نیز ماہنامہ ''دی سمپل ٹروتھ''(انگریزی) کا ادارہ کے نام اجراء اور قدیم خریدار ہونے کی صورت میں اس کے بقایا جات کی ادائیگی۔

(۳)علاوہ ازیں مرکزی جمعیت کی جانب سے سفارشی خطوط حاصل کرنے کے لیے ذمہ داران صوبائی وضلعی جمعیات ومعروف علماء کرام کی نئی تصدیقات کا پیش کیا جانا لازمی ہے۔درخواست دہندہ اپنے دستخط کے ساتھ نام اور عہدہ صاف صاف لکھیں۔کسی بھی قدیم تصدیق کی تجدید یا اس میں حذف واضافہ کے لیے صوبائی جمعیت سے حاصل شدہ نئی اصل تصدیق کا پیش کیا جانا ضروری ہے بصورت دیگر کوئی بھی عذر مقبول نہ ہوگا۔

نوٹ: جو حضرات مرکزی جمعیت کی تصدیق کے خواہاں ہوں وہ کسی بھی قسم کی زحمت سے بچنے کے لئے رمضان سے قبل تصدیق حاصل کرلیں اور بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رجسٹری ڈاک خرچ نقد نیز جریدہ ترجمان، اصلاح سماج ودی سمپل ٹروتھ کے بقایا جات کی رسید کی فوٹو کاپی ارسال کرنا نہ بھولیں۔

دفتر نظامت عامہ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

وراثت کی تقسیم: اہمیت وضرورت

مولانا عزیز احمد مدنی

اسلامی شریعت میں حقوق دوطرح کے ہیں، ایک حق اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کا حق، دوسرے حقوق العباد، یعنی بندوں کے حقوق، دونوں کےحقوق کی ادائیگی لازم وضروری ہے۔ اللہ جل شانہ کا حق یہ ہے کہ بندے اس کی وحدانیت کااعتراف واذعان کرتے ہوئے اس کی طاعت وبندگی کریں۔ اس کی ذات وصفات اختیار وافعال اور عبادات میں کسی کوشریک نہ کریں، جیسا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔ **حق اللّٰہ علی العباد أن یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئا** (متفق علیہ)

البتہ حق العباد کی دوقسمیں ہیں، ایک خاص حقوق، یعنی کچھ خاص لوگوں کے خاص حقوق جیسے ہرانسان پراس کے والدین کے حقوق، بیوی بچوں کے حقوق، پڑوسیوں کےحقوق، اعزہ واقارب کےحقوق وغیرہ، یہ تمام حقوق ایسے ہیں جو ہرفرد بشر پراوراس کے ساتھ خاص ہیں۔

دوسرے عام حقوق، یہ بھی دوطرح کے ہیں، ایک عام رعایا کے حقوق، دوسرے امراء وحکام سلطنت اسلامی کے حقوق، والیان حکومت کے حقوق، شریعت اسلامیہ نے ان دونوں کے حقوق کی وضاحت بڑی تفصیل سے کی ہے اوراس کی ادائیگی کی تاکید کی ہے تاکہ سماج، معاشرہ، قوم وملت اورسلطنت ووطن میں اجتماعیت کی روح پروان چڑھ سکے۔ اورملت ووطن میں امن وسکون کا استحکام ہواور ملک وباشندگان ملک ترقی کی راہ پر گامزن رہ سکیں۔ ملک وملت کی صیانت وحفاظت اوراس کے استحکام وترقی کے لئے رعایااور حکام دونوں کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ دونوں سےایک دوسرے کے لئے نصح وخیرخواہی مطلوب ومقصود ہے۔ یہی نصح وخیرخواہی دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاارشاد ہے: **الدین النصیحة قالوا لمن یا رسول اللّٰہ قال: للّٰہ ولرسولہ ولکتابہ ولأئمة المسلمین وعامتھم۔**

حقوق العباد کے خاص حقوق میں سے ایک خاص شرعی حق میراث اوروراثت کی تقسیم بھی ہےجس کی زبردست تاکیدشریعت اسلامیہ نے کی ہےاوراللہ کےحدود کی تعدی پرسخت وعید کی تہدید بھی ہے لیکن بڑے کرب اور افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ملک اورسماج میں اہل اسلام کی اکثریت اس حکم شرعی اور خاص حق کی ادائیگی میں بڑی کوتاہ اوریکسر غافل ہے۔ مسلم سماج میں صوم وصلوۃ اور دیگر اعمال دین کے ترک کوبرااورغلط سمجھا جاتا ہےلیکن حق میراث سے چشم پوشی اوراسے ہڑپ کرجانے کو بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا، یہ کوئی برائی نہیں ہوتی، عالم وغیر عالم دیندار ومتقی پرہیزگارتقریباً سب کے سب اس مرض میں مبتلا ہیں۔ العیاذ باللہ۔ ذیل کےسطور میں اس کی اہمیت وضرورت اوراسباب پرکچھ معروضات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

علم میراث کی فضیلت واھمیت: میراث کاعلم وہ علم ہےجس کے ذریعہ وارث اورغیروارث نیز ہروارث کی مقدارووراثت کوجانا جائے گویااس علم وفن سے میت کے مستحقین ورثاء کی تعیین اوراس کے حقوق میراث کی تفصیلات کی معلومات حاصل ہوتی ہے اسلام میں علم میراث کی بڑی اہمیت ہے اسے نصف علم بھی کہا گیا ہےاوراسے علم الفرائض سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ فرائض فریضہ کی جمع ہے جس کے معنی ”متعین ومقرر“ کرنے کے ہیں۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ نے وارثین کے حصے متعین اورمقرر کردیئے ہیں، اس میں کسی طرح کا ردوبدل کسی کے اختیار میں نہیں۔ بلکہ یہ امرتوقیفی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس علم کی فضیلت واہمیت بیان کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ کی ایک روایت میں منقول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کومخاطب کرکے فرمایا: **یا اباھریرة، تعلموا الفرائض وعلموھا، فانہ نصف العلم وھو ینسی وھو اول شئی ینزع من أمتی** یعنی اے ابوہریرہ، فرائض (میراث) کاعلم سیکھواورسکھاؤ، یقینا یہ آدھاعلم ہے، یہ بھلا دیا جائے گا اوریہی پہلاعلم ہوگا جومیری امت سے اٹھالیا جائے گا۔ (ابن ماجہ حدیث ۲۷۱۹، فیہ حفص بن عمرو، ضعیف)

عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے مروی ہے: علم تین طرح کے ہیں اس کےعلاوہ دیگرعلوم زائد ہیں، ایک آیت محکمہ (یعنی قرآن کی آیات احکام کا سیکھنا) دوسرے سنت قائمہ (یعنی سنت نبوی کاعلم) اورتیسرے فریضہ عادلہ یعنی فرائض ومیراث کاعلم جو ساراکاساراحق پر مبنی ہے۔ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۲۸۸۵، سکت علیہ ابوداؤد)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **تعلموا القرآن علموہ الناس، وتعلموا الفرائض وعلموھا فانی امرء مقبوض والعلم مرفوع ویوشک أن یختلف اثنان فی الفریضة والمسألة فلا یجدان احدا یخبرھا** یعنی قرآن سیکھواور پڑھو۔ لوگوں کوسکھاؤاور پڑھاؤ، علم فرائض سیکھواورسکھاؤ کیونکہ میں قبض کیا جانے والا ہوں اورعلم اٹھ جائے گا۔ عنقریب دوشخص ایک فریضہ اورمسئلہ میں اختلاف کریں گےاورکوئی شخص ایسا نہ مل سکے گا جوان دونوں کی صحیح رہنمائی کرسکےاور انھیں صحیح حل بتاسکے۔ (رواہ النسائی فی الکبری، والدارمی ح۱۱۲، نیل

الاوطار ۶/۱۶۸)

امام قرطبی اپنی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں آیت کریمہ ''یوصیکم اللہ فی اولادکم'' کی تفسیر کے ضمن لکھتے ہیں: **وهذه الآية ركن من أركان الدين، وعمدة من عمدالأحكام وأم من أمهات الآيات، فان الفرائض عظيمة القدر حتى انها ثلث العلم، وروى نصف العلم، وهو اول علم ينزع من الناس وينسى** یہ آیت ارکان دین میں سے ایک رکن ہے، اور دین کے اہم ستون میں سے ایک ستون ہے۔ امہات آیات میں سے ہے۔ اس لئے کہ فرائض کا بہت عظیم مرتبہ ہے یہاں تک کہ یہ ثلث علم ہے ایک روایت میں نصف علم مروی ہے۔ یہ علم لوگوں سے سب سے پہلے اٹھا اور بھلا دیا جائے گا۔

وراثت ومیراث کی مشروعیت: اسلام سے قبل دور جاہلیت میں لوگ جس طرح کفر وشرک میں مبتلا تھے، طرح طرح کی رسمیں رائج تھیں، غلاموں پر بے جا ظلم کرنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، یتیموں، بیواؤں کا مال ہڑپ کر جانا اور عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم کر دینا عام تھا۔ اسی طرح یہ بھی رائج تھا کہ قوی وطاقتور لوگوں کو وارث بنا دیا جاتا، کمزوروں کو ان کے حق سے محروم کر دیا جاتا، ترکہ کا مال بڑے لڑکوں میں جو جنگ کے قابل ہوتے تقسیم کر دیا جاتا، عورتوں اور چھوٹے بچوں کو ترکہ نہیں دیا جاتا ان کے قوی وطاقتور چچا اور بھائی ان کے مال ومتاع پر انھیں کے سامنے قبضہ جما لیتے متبنی اولاد اور حلیفوں کو وارث بنا دیا جاتا۔ لیکن جب اسلام آیا۔ شمع رسالت کی کرنیں پھیلنے لگیں، تو اس سے کفر وشرک اور ظلمات کے بادل چھٹنے لگے، ظلم وبربریت کا خاتمہ ہوا، عورتوں وبیواؤں کو سہارا ملا، عزت ملی ان کے حقوق ومیراث کی بابت احکامات الٰہی نازل ہوئے اور دنیائے انسانیت جاہلی تہذیب سے نکل کر اسلام کی پاکیزہ معاشرت میں زندگی گزارنے لگی۔

ابتدائے اسلام میں وراثت کے باب میں توسع رہا۔ مہاجر مہاجر کا وارث، حلیف ومتعاقد ایک دوسرے کا وارث، مہاجرین وانصار میں مواخاۃ کے سبب بھی وراثت جاری رہی۔ پھر والدین ودیگر قرابت داروں کے لئے وصیت کا حکم نازل ہوا، اور پھر آخر میں وراثت ومیراث کا قطعی حکم اور وارثین کے حصوں پر آیات واحکام نازل ہوئے۔ وراثت کا یہ حکم نسبی قرابت کے ساتھ مشروع قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیت لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ ''مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ'' مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (النساء:۷) نازل فرمائی اور اس کے ذریعہ مردوں کی طرح عورتوں کے حقوق اور بچے بچیوں کو اپنے والدین واقارب کے مال میں حصہ دار قرار دیا۔ اور پھر سورہ النساء کی متعدد آیات میں تقسیم میراث اور مستحقین کے حصص کی تفصیل واضح طور پر بیان فرمائی اور یہ تاکید فرمائی کہ ہر مستحق کا حصہ مقررہ مفروض ہے يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ **الآيات من سورة النساء** ۱۱۔۱۴ اور سورۃ النساء کی آخری آیات میں وراثت کے احکام مذکور ہیں۔

تقسیم میراث، وراثت کی اہمیت: وراثت ومیراث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت تاکید فرمائی ہے میراث کی جزئیات اور اس کی تفصیلات کا تذکرہ قرآن کریم میں کیا ہے جبکہ دین کے دیگر اہم احکام کے بنیادی اصول کے بیان پر اکتفا کیا ہے اس کی تفصیلات وجزئیات کی معرفت توضیح وتشریح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے۔ جیسے صلاۃ، زکاۃ، دیت وغیرہ کے احکام قرآن میں اجمالاً بیان کئے گئے ہیں اس کی تفاصیل سنت رسولؐ سے ملتی ہے جبکہ وراثت کا معاملہ اس سے بہت مختلف ہے۔

قرآن کریم کی بعض آیات میں تقسیم میراث پر ابھارا گیا ہے۔ تو بعض آیات میں مستحقین کے حصوں کی تعیین وتقرری کی گئی ہے۔ تو بعض آیات میں اس حکم الٰہی پر عمل کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور اسے ''حدوداللہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ **(النساء:۱۳)**

اسی طرح بعض آیات میں اللہ کے اس حکم پر عمل نہ کرنے، اللہ ورسول کے حکم کی نافرمانی اور مقررہ حد کی خلاف ورزی کرنے والوں کو جہنم کی دردناک سزا کی وعید بھی سنائی ہے۔ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ ''مُّهِينٌ'' **(النساء:۱۴)**

آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا **(النساء:۱۱)** کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام دیا کہ میراث کا قانون اس لئے مقرر کیا گیا کہ تم اپنے نفع ونقصان کو نہیں سمجھتے۔ اگر تم اپنے اجتہاد سے وراثت تقسیم کرتے تو حصوں کا ضبط میں لانا مشکل تھا۔ اس لئے تم اپنی سمجھ کے مطابق وراثت تقسیم مت کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جس کا جتنا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے وہ ان کو دو ان میں رد وبدل مت کرو۔ (تفسیر حاشیہ محمد عبدہ ص ۹۶)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر مستحق کا حصہ متعین ومقرر کر دیا ہے۔ وراثت کی تقسیم اسی کے عین مطابق ہوگی اس میں رد وبدل، کمی بیشی، ترجیح وغیرہ کا حق واختیار کسی کو نہیں۔ چنانچہ نصیباً مفروضا، فریضۃ من اللہ، وصیۃ من اللہ وغیرہ جیسے جملوں اور کلمات سے اس جانب سخت تاکید فرمائی ہے۔ نیز یہ بھی حکم دیا ہے کہ مال وراثت خواہ کتنا کم ہو یا کتنا زیادہ ہو اسے لازماً تقسیم ہونا ہے اور مستحقین کو ملنا ہے۔

وراثت، اس کے ارکان واسباب: جن مستحقین کے حصے قرآن کریم نے بیان کر دیئے ہیں وہ اصحاب الفروض کہلاتے ہیں۔ دوسری کڑی ''عصبہ'' کی ہے۔ فقہاء نے میت سے رشتے کی قربت اور دوری کے اعتبار سے ان کے مراتب متعین کئے ہیں۔ تیسری کڑی، ذوی الارحام کی ہے۔ پہلے وراثت اصحاب الفروض میں تقسیم کی جائے گی، اس کے بعد اگر کچھ مال وراثت بچ جائے تو وہ ''عصبہ'' میں تقسیم

ہوگا، وہ نہ ہوں تو ذوی الارحام" کو دیا جائے گا۔ایک صحیح حدیث میں مذکور ہے۔ **الحقوا الفرائض بأهلها فما بقى فلأولى رجل ذكر** (متفق علیہ) یعنی شریعت کے مقرر کردہ حصے ان کے مستحقین (حصہ داروں) کو ادا کرو اور پھر جو بچ جائے اسے سب سے قریبی مرد وارث کو دے دو۔

میراث، وراثت، ترکہ یہ تمام کلمات ایک ہی چیز کی مختلف تعبیر ہیں۔ وہ مال وجائداد وغیرہ جو مرنے وفات پانے والے شخص کی طرف سے اس کے حق داروں کو ملے میراث، وراثت، ترکہ کہلاتا ہے۔حقداروں کو وارث اور جس سے ورثہ مل رہا ہے اسے مورث اور ترکہ وحصہ کو "موروث" کہا جاتا ہے۔ گویا وراثت کے تین ارکان ہیں۔مورث، وارث، موروث (ترکہ)

بلفظ دیگر، ایسے اموال یا حقوق جنھیں میت (متوفی) کے چھوڑ جانے کی وجہ سے شرعی وارث ان کا مستحق قرار پائے اسے میراث کہا جاتا ہے۔ (فقہ الحدیث ۲/۷۰۷)

اہل علم نے وراثت کے تین اسباب بیان کئے ہیں وہ ہے۔ ا۔نسبی قرابت (رشتہ داری) ۲۔نکاح۔ ۳۔ولاء

تقسیم میراث کب اور کیسے؟ وراثت کی تقسیم میت (متوفی) کی تجہیز وتکفین کے مصارف واخراجات، متوفی کے ذمہ قرض ودین کی ادائیگی کا حساب نکالنے یا چکانے وادا کرنے، متوفی کے ذمہ زکاۃ، کفارہ، یا کوئی جائز نذر ہو، اسی طرح متوفی نے اپنی زندگی میں کسی کے لئے کوئی وصیت کی ہو، یا صدقہ جاریہ کی وصیت کی ہو تو اس کی تنفیذ وتکمیل کے بعد باقی ماندہ مال وجائداد میں وراثت تقسیم کی جائے گی اور یہ وراثت قرآن کریم وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کردہ قانون کے مطابق تقسیم ہوگی۔

نوٹ: اگر بیوی کا حق مہر ادا نہ کیا گیا ہو تو وہ بھی دین (قرض) میں شمار ہوگا۔ اس کی ادائیگی بھی وراثت کی تقسیم سے پہلے ضروری ہے۔ نیز عورت (بیوی) کا حصہ شرعی اس مہر کے علاوہ ہوگا۔ (تفسیر صلاح ص ۲۲۷)

وراثت کی یہ تقسیم کسی بھی شخص کے مرنے وفات پا جانے کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔ کسی کی زندگی میں وراثت کی تقسیم نہیں ہوسکتی، یہ شرعا درست نہیں، البتہ زندگی میں وہ کسی کو بھی اپنا مال ہبہ کرسکتا ہے۔ عطیہ دے سکتا ہے اپنے مال کے ایک تہائی حصے تک کی وصیت کرسکتا ہے۔ "والثلث کثیر" ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ایسی صورت میں یعنی ہبہ وعطیہ کرتے ہوئے اپنی اولاد میں بھی تفاوت وفرق کرنا شرعا درست نہیں۔ بلکہ ان تمام کے مابین خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں سب کے حصے مساوی ہوں گے۔ کسی میں کمی وبیشی درست نہیں۔نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اتقوا الله واعدلوا بين اولادكم** اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اپنی اولاد کے مابین عدل کرو، (بخاری حدیث ۲۵۸۶) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیرؓ سے مروی حدیث پر ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔ **اذا اعطى بعض ولده شيئا لم يجز حتى يعدل منهم ويعطى الآخر مثله** یعنی اپنے بعض لڑکوں کو اگر کوئی چیز ہبہ میں دی تو جب تک انصاف کے ساتھ تمام لڑکوں کو برابر نہیں دیتا تو یہ ہبہ جائز نہیں ہوگا۔

غیر وارث کے لئے وصیت کا حکم برقرار ہے۔البتہ ورثاء کے حصے مقرر ہو جانے کے بعد اب کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔ فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ **ان الله اعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث** (ترمذی: حدیث ۲۱۲۱)

اسی طرح کسی وارث کو حق وراثت سے محروم کرنے نقصان پہنچانے یا کسی حرام کام کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ٹھیک اسی طرح کسی بیٹے، بیٹی کو عاق کر کے وراثت سے محروم کرنا بھی غلط ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا ایک روایت کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی یا عورت ساٹھ سال تک اللہ کی طاعت کرتے ہیں لیکن جب موت آتی ہے تو وہ وصیت کر کے ورثاء کو نقصان پہنچا جاتے ہیں اس وجہ سے ان پر جہنم کی آگ واجب ہو جاتی ہے۔ (ترمذی حدیث ۲۱۱۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وراثت ایک شرعی حق ہے۔ جو آدمی کے انتقال یا وفات پا جانے کے بعد اس کی ملکیت جائداد منقولہ وغیر منقولہ جو اس کے ورثاء کو منتقل ہو جاتی ہے اسے وراثت کہا جاتا ہے۔ یہ خونی رشتہ دار اور میاں بیوی جو وقت وفات بحیات ہوں وارث کہلاتے ہیں، یہ وراثت انھیں میں تقسیم ہوگی۔ اور جن ورثاء کا انتقال اس کی زندگی میں ہوگیا ہو تو وہ رشتہ دار وراثت کا مستحق نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر کسی شخص کے تین بیٹے ہوں، ایک بیٹے کا انتقال اس کی زندگی میں ہوگیا، تو اس شخص یعنی باپ کے انتقال کے بعد مرحوم بیٹے یا اس کی بیوہ اور بچوں کو وراثت کا حصہ نہیں ملے گا۔ یتیم پوتا، پوتی وارثین میں سے نہیں ہیں، البتہ اس کے دادا اس کے لئے ضرور وصیت کر جائیں، اس طرح کی وصیت بعض مفسرین کی رائے کے مطابق سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۸۰ میں مذکور وصیت اب بھی فرض ہے۔ منسوخ نہیں ہے۔ (قرآن انسائیکلومیڈیا ۲۰۷)

حق وراثت سے کوتاهی کے اسباب اور وجوهات: مندرجہ بالا سطور سے حق وراثت کی اہمیت واضح ہوتی ہے نیز یہ بھی کہ اگر کوئی شخص کسی حقدار کا حق اور حصہ نہیں دیتا ہے اپنے پاس رکھ لیتا ہے غصب کر لیتا ہے تو وہ ایک طرف رب العالمین کی ناراضگی مول لیتا ہے کیونکہ وارث کا حق اس کی تقسیم اللہ جل شانہ کی طرف سے مقرر ہے۔ اس کا حکم ہے۔ دوسری طرف وہ ان حق داروں کا حق غصب کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ اللہ رب العالمین اپنے حقوق توبہ ومعافی سے معاف کر سکتے ہیں۔ البتہ بندوں کے حقوق اس کی ادائیگی کے بغیر یا صاحب حق کی معافی کے بغیر معاف نہ ہوگا۔ بروز قیامت اسے اللہ تعالیٰ کی جناب میں ادا کرنا ہوگا۔

حقوق العباد کے تئیں اس قدر سخت وعید کے باوجود آج اگر ہم اپنے سماج اور معاشرہ کا جائزہ لیں تو حق وراثت کی ادائیگی میں بڑی کوتاہی اور بے توجہی پائی جاتی ہے جس کے مختلف وجوہ واسباب ہوسکتے ہیں۔

ا۔سب سے اہم سبب اہل اسلام میں ایمانی کمزوری، خوف الٰہی کا فقدان اور یوم جزاء پر ضعف ایمان وحساب وکتاب سے لاپرواہی ہے مسلمان ایمان بالآخرت کو مانتا اور اقرار کرتا ہے۔لیکن صحیح معنوں میں اس کے ذہن وقلب پر اس عقیدہ کی حکمرانی مضبوط نہیں جس کی وجہ سے عملی کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ یہ کوتاہیاں صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ حقوق العباد میں اور زیادہ ہوتی ہیں اس عقیدہ کی کمزوری کے سبب انسان دوسروں کے مال بے دریغ ہڑپ کرجاتا ہے۔ اور اسے کوئی فکرو بے چینی نہیں ہوتی، حتی کہ ایک طاقتور حقیقی بھائی اپنے دوسرے کمزور حقیقی بھائی کو اس کا حق نہیں دیتا۔آپس میں تکرار اور قتل وخوں ریزی کی نوبت آجاتی ہے اور کورٹ وکچہری کی خاک چھاننے میں اپنا قیمتی وقت اور سرمایہ یونہی ضائع کردیتے ہیں بلکہ خاندانی عزوشرف اور وقار بھی داؤں پر لگادیتے ہیں۔ یہ بڑا المیہ ہے جس کا مشاہدہ مسلم سماج میں بکثرت کیا جاتا ہے۔اس دنیاوی حرص وطمع کی آگ نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔الامان والحفیظ

۲۔وراثت کے حکم، اس کی اہمیت اور عدم ادائیگی کے بھیانک نتائج وانجام سے ناواقفیت وجہالت اور شعور وآگہی کی کمی بھی ایک سبب ہے۔ چنانچہ عام مسلمان تو اس سے ناآشنا ہیں ہی۔ملت کے قائدین، علماء وائمہ بھی اس مسئلہ میں سکوت اختیار کئے ہوئے ہیں اور عملی طور پر کوتاہ وچشم پوش ہیں۔

۳۔دینی وشرعی تعلیم وتربیت سے بے اعتنائی اور دوری، اخلاقی اقدار سے لاپرواہی، علماء سے بیزاری، مادیت کی طرف بڑھتا رجحان ومیلان، خودغرضی، تنگ نظری، انفرادیت پسندی، جمع مال ودولت کا حرص، تعیش پسندی جیسی خوئے بدکا بڑھتا رجحان بھی ایک سبب ہے۔دولت کی حرص نے حقیقی رشتہ داریوں، ماں باپ، بھائی بہن کی الفت ومحبت کو قطع وبرید کردیا ہے۔ محض اپنی ذاتی منفعت، دنیا اور اس کے فوائد کا حصول ہی انسان کا مطمح نظر بن کررہ گیا ہے۔

۴۔سماجی ومعاشرتی ماحول بھی تقسیم میراث میں ایک اہم رکاوٹ ہے۔ معاشرہ میں وراثت کی تقسیم متروک ہے، وراثت تقسیم نہیں ہوتی، بلکہ بھائیوں میں جائداد کا بٹوارہ ہوجاتا ہے۔ بہنوں، ماؤں کو یکسر محروم کردیا جاتا ہے۔ یا کچھ تھوڑا بہت دے کر راضی کرلیا جاتا ہے۔ یا پھر بہنیں بھائیوں سے اپنے تعلقات کی عدم استواری اور بگاڑ کے خوف، خدشہ سے اپنے اس حق کا مطالبہ کرنے سے گریز کرتی ہیں، یا دست بردار ہوجاتی ہیں یا اپنے اندر مطالبہ کی جرأت وہمت نہیں جٹا پاتی ہیں۔ بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ یہ خواتین کی اکثریت کو پتہ ہی نہیں کہ ان کے والدین کے اموال میں انکا اور ان کے اموال میں ان کے والدین کا حق ہے۔ اور یہ حق انھیں اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔انھیں یہ حق حاصل کرنا چاہئے۔

ہمارے معاشرہ میں بھی لڑکیوں اور عورتوں، یتیموں کے بارے میں دورجاہلیت کے غلط تصورات آج بھی پائے جاتے ہیں کہ عورت کا اپنا مال کا نہ حق نہیں۔ سماج میں لڑکیوں کا حصہ معاف کرنے کرانے کا عام رواج بن گیا ہے۔اس رواج کی پابندی عورت خود کرتی ہے یا اسے اس پر مجبور کیا جاتا ہے۔کیا وجہ ہے کہ کوئی لڑکا، بھائی اپنا حق یا حصہ معاف نہیں کرتا، صرف لڑکی، عورت ہی اپنا حصہ معاف کرتی ہے۔

سماج میں یہ تصور بھی عام ہے کہ بہنوں یا لڑکیوں کی شادی میں ایک خطیر رقم جہیز اور دیگر رسوم پر خرچ کی جاتی ہے اور وہ وراثت کا بدل ہوتی ہے اور تقسیم وراثت کے موقع پر انھیں اس وجہ سے محروم کردیا جاتا ہے کہ ان کے حصے کی رقم ان کی شادی بیاہ میں صرف کردی گئی۔اس طرح کے اور بہت سے حیلے بہانے اور رسم ورواج کی بندش سے ان کے حقوق سلب کرلئے جاتے ہیں۔

جہیز کی یہ رسم مسلمانوں میں برادران وطن کے رسوم واطوار سے منتقل ہوکر آئی اور مسلم سماج میں وباء کی شکل اختیار کرگئی ہے اور روز بروز فزوں تر ہوتی جاتی ہے۔اس رسم کا اسیر عام مسلمان بھی ہے۔ دیندار طبقہ بھی ہے، اہل ثروت اور مالدار طبقہ اپنے شادی بیاہ کے پروگرام میں اپنی شان وشوکت کا اظہار اناور دولت وثروت کی رونمائی کرتا ہے اور دوسرے طبقات کے لئے پریشانی کا اضافہ جبکہ اسلام کا اس رسم سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام نے شادی بیاہ کو سہل وآسان بنایا ہے اور اس حلال رشتے کو خوب مستحکم بنانے کی تاکید کی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم سماج میں بیداری لائی جائے، اللہ ورسول سے ان کا رشتہ مضبوط کیا جائے، مسائل دین سے واقف کرایا جائے،فن وراثت کے تئیں حکم الٰہی سے روشناس اور حقوق العباد بالخصوص حق وراثت سے محروم کرنے کی سخت وعید سزا اور نقصان وانجام سے آگاہ وخبردار کیا جائے۔قائدین ملت، عمائدین جماعت وتنظیم ذمہ داران، علماء ودعاۃ تعلیم یافتہ افراد وشخصیات ہر ایک اپنی ذمہ داری نبھائیں اپنے اپنے حلقہ احباب، اپنی مجالس ومحافل، اپنے دینی وملی اور اجتماعی پروگرام کانفرنس واجتماعات، خطبہ ودروس میں اس موضوع پر روشنی ڈالیں۔ بحث وگفتگو کریں، وراثت، وراثین ان کے حقوق، فوائد ونقصانات، اللہ تعالی کے بیان کردہ وعدوعید سے آگاہ کریں اور حق وراثت کی ادائیگی پر زور ڈالیں، ذہن وماحول کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں اور خود عملی تطبیق کریں، نیز رسوم وبدعات سے اجتناب کی تلقین اور کتاب وسنت کی روشنی میں دین حق کی اتباع اور عمل کی تلقین کریں لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

☆☆☆

گاؤں محلہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجیے
اور مکاتب میں تجوید وتعلیم قرآن کریم کا اہتمام کیجئے!

حضرات! قرآن کریم بنو نوع انسان وجنان کے نام اللہ رب العالمین کا آخری پیغام ہے۔ جو نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، جو ہدایت کا سرچشمہ، عبرت وموعظت کا ذریعہ اور دین وشریعت اور توحید ورسالت کا اولین مرجع ومصدر ہے، جس کا حرف حرف علم وعرفان اور حکمت وموعظمت کے موتیوں سے لبریز ہے، جس کی تعلیم وتعلم اور تلاوت باعث ثواب اور جس پر عمل فوز وفلاح اور سعادت دارین کا سبب اور ضمانت ہے اور قوموں کی عزت وذلت اور عروج وزوال اسی سے مربوط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اول یوم سے اس کی تلاوت وقرأت اور اس پر عمل کا خصوصی اہتمام کیا، حفظ وتجوید وتفسیر قرآن کے مکاتب ومدارس قائم کئے اور سوسائٹی میں اس کی تعلیم واتباع کو خصوصیت کے ساتھ رواج دیا۔ نتیجتاً وہ اس اہتمام بالقرآن کی برکت سے ہر میدان میں اوج کمال تک پہنچے۔ لیکن بعد کے ادوار میں یہ روشن روایت دن بدن کمزور پڑتی گئی۔ خود برصغیر میں تعلیم وتفسیر قرآن کریم تو کجا تجوید وقرأت کا عرصہ تک کما حقہ اور مضبوط انتظام نہ ہوسکا اور نہ اس پر خصوصی توجہ مبذول کی گئی۔ حالانکہ تعلیم وتعلم قرآن میں علم تاویل وتفسیر اور غور وفکر کے ساتھ ساتھ تجوید بھی مقصود تھا اور ہمارے نبی کریم محمد ﷺ نے اس کی بڑی تاکید بھی فرمائی تھی۔

مقام شکر ہے کہ چند دہائی قبل مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سمیت مختلف جہات سے تعلیمی بیداری مہم کے نتیجے میں مدارس وجامعات اور مکاتب ومساجد میں تجوید قرآن کریم کا مبارک سلسلہ شروع ہوا تھا جس کے ملکی سطح پر بہترین ثمرات سامنے آئے۔ پورے ملک میں مکاتب بڑے پیمانے پر قائم ہوئے اور بہت سی بستیوں میں مکتب کی تعلیم کے زیر اثر بچوں کی ذہنی طور پر نشو ونما ہونے لگی۔ لیکن روز بروز بدلتے حالات کے پیش نظر عصری تعلیم گاہوں اور کنونٹس اور گاؤں میں مدارس کی وجہ سے مکاتب بہت متاثر ہوئے۔ لہٰذا مکاتب کو بڑے اور عمدہ پیمانے پر پروان چڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ نئی نسل کو دین کی بنیادی باتوں اور قرآن کریم سے روشناس کرایا جاسکے۔

لہٰذا آپ حضرات سے دردمندانہ گزارش ہے کہ اس حوالے سے خصوصی توجہ مبذول کریں اور اپنے گاؤں اور محلوں میں صباحی ومسائی مکاتب کے قیام کو یقینی بنائیں، اگر قائم ہیں تو ان کی سرگرمی وفعالیت میں بہتری لائیں، قدیم نظام کا احیاء کریں، ان میں تجوید وتعلیم قرآن کا خصوصی اہتمام کریں تاکہ جماعت وملت کے نونہالوں کو دین واخلاق سے آراستہ کرسکیں اور انھیں دین وعقیدہ پر قائم رکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک ہوکر دین حنیف، جماعت وجمعیت اور ملک وملت کی مخلصانہ خدمت انجام دینے کی توفیق بخشے، ہر طرح کے فتنے اور آزمائش سے محفوظ رکھے اور عالمی مہلک وبا کورونا وغیرہ سے سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

اپیل کنندگان

اصغر علی امام مہدی سلفی

دعوت اسلام

مولانا ابوالکلام آزادؒ

فضیلت وکامرانی کے طریقے: سورہ اعراف میں ہے: وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۚ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف:۱۹۸۔۱۹۹)(اے پیغمبر)اگر تم ان لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف بلاؤ تو ہرگز تمہاری پکار نہ سنیں۔تمہیں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تمہاری طرف تک رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دیکھتے نہیں (بہ ہرحال) نرمی وگزر سے کام لو، نیکی کا حکم دو، جاہلوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔

(دیکھئے) چند لفظوں کے اندر زندگی کی اخلاقی مشکلات کا پورا حل اور فضیلت وکامرانی کے تمام طریقے واضح کردیے۔ اخذ نا بالعفو، امر بالمعروف اور اعراض عن الجاہلین یعنی ناسمجھوں کی ناسمجھی بخش دینا، نیکی کی دعوت میں سرگرم رہنا اور جاہلوں کے پیچھے نہ پڑنا۔سرسری نظر میں پتا نہیں لگے گا۔اچھی طرح اور بار بار غور کرو۔انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کون سا گوشہ ہے جس کی ساری عملی مشکلات ان تین اصلوں سے حل نہیں ہوجاتیں؟

آیت ۱۹۸ میں فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ تجھے دیکھتے نہیں کیونکہ اگر دیکھتے تو کبھی انکار نہ کرتے۔سوایک دیکھنا سلمانؓ فارسی کا تھا، جو پہلی ہی نگاہ میں پکار اٹھا: **واللہ ما هذا الوجه كذاب** (خدا کی قسم یہ صورت جھوٹے آدمی کی ہو نہیں سکتی) اور ایک دیکھنا ابوجہل کا تھا کہ **مالهذا الرسول ياكل الطعام ويمشي فى الاسواق** (یہ کیسا نبی ہے کہ آدمیوں کی طرح غذا کا محتاج ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے؟ (الفرقان:۷)

ذات وصفات: خدا کی ہستی کا اعتقاد انسانی فطرت کے اندرونی تقاضوں کا جواب ہے۔ اسے حیوانی سطح سے بلند ہونے اور انسانیت اعلیٰ تک پہنچنے کے لئے بلندی کے ایک نصب العین کی ضرورت ہے۔اور اس نصب العین کی طلب بغیر کسی ایسے تصور کے پوری نہیں ہوسکتی جو کسی نہ کسی شکل میں اس کے سامنے آئے لیکن مشکل یہ ہے کہ مطلق کا تصور سامنے آنہیں سکتا (جب تک) ایجابی صفتوں کے تشخص کا کوئی نہ کوئی نقاب چہرے پر نہ ڈال دے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن نے (صفات باری تعالیٰ میں) جو راہ اختیار کی وہ ایک طرف تو تنزیہ (تنزیہ سے مقصود یہ ہے کہ جہاں تک عقل بشری کی پہنچ ہے، صفات الٰہی کو مخلوقات کی مشابہت سے پاک وبلند رکھا جائے۔) کو اس کے کمال کے درجے پر پہنچا دیتی ہے۔دوسری طرف تعطیل (تعطیل کے معنی یہ ہیں کہ تنزیہ کے منع ونفی کو اس حد تک پہنچا دیا جائے کہ فکر انسانی کے تصور کے لئے کوئی بات باقی نہ رہے۔قرآن کا تصور صفات تنزیہ کی تکمیل ہے، تعطیل کا آغاز نہیں۔اسی طرح قرآن نے تشبیہ وتمثیل وتجسم کا بھی خاتمہ کردیا) سے بھی تصور کو بچا لیتی ہے۔وہ فرداً فرداً تمام صفات وافعال کا اثبات کرتا ہے مگر ساتھ ہی مشابہت کی قطعی نفی بھی کرتا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے خدا حسن وخوبی کی ان تمام صفتوں سے جو انسانی فکر میں آسکتی ہیں، متصف ہے۔ وہ زندہ ہے۔قدرت والا ہے۔رحمت والا ہے۔ لیکن اسی طرح صاف صاف اور بے لچک کہہ دیتا ہے کہ اس سے مشابہ کوئی چیز نہیں، جو تمہارے تصور میں آسکتی، وہ عدیم المثال ہے۔

درماندگیوں کاایک ہی حل: غرض قرآن کے تصور الٰہی کا یہ پہلو فی الحقیقت اس راہ کی تمام درماندگیوں کا ایک ہی حل ہے اور ساری سرگردانیوں کے بعد بالآخر اسی منزل پر پہنچ کر دم لینا پڑتا ہے۔یہاں ایک طرف بام حقیقت کی بلندی اور فکر کوتاہ کی نارسائیاں ہوئیں، دوسری طرف ہماری فطرت کا اضطراب طلب اور ہمارے دل کا تقاضائے دید ہوا۔بام اتنا بلند کہ نگاہ تصور تھک کے رہ جاتی ہے۔ تقاضائے دید اتنا سخت کہ بغیر کسی کا جلوہ سامنے لائے چین نہیں پاسکتا۔اگر تنزیہ کی طرف زیادہ جھکتے ہیں تو ''تعطیل'' میں جا گرتے ہیں اگر اثبات صفات کی صورت آرائیوں میں دور نکل جاتے ہیں تو تشبیہ اور تجسم میں کھوئے جاتے ہیں۔پس نجات کی راہ صرف یہی ہوئی کہ دونوں کے درمیان قدم سنبھالے رہیں۔اثبات کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے، تنزیہ کی باگ بھی ڈھیلی نہ پڑنی پائے۔

محکمات ومتشابہات: قرآن نے مطالب کی دو بنیادی قسمیں قرار دیں ایک کو ''محکمات'' سے تعبیر کیا۔دوسری کو ''متشابہات'' سے۔محکمات سے وہ باتیں مقصود ہیں، جو صاف صاف انسان کی سمجھ میں آجاتی ہیں اور اس کی عملی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور اس لئے ایک سے زیادہ معانی کا دل میں احتمال نہیں۔متشابہات وہ ہیں جن کی حقیقت وہ پا نہیں سکتا اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ ایک خاص حد تک جا کر رک جائے اور بے نتیجہ باریک بینیاں نہ کرے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا

يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آل عمران:۳)

''(اے پیغمبر) وہی (حی وقیوم) ہے جس نے تم پر الکتاب نازل فرمائی ہے۔ اس میں ایک قسم تو محکم آیتوں کی ہے (یعنی ایسی آیتوں کی جو اپنے ایک ہی معنی میں اٹل اور ظاہر ہیں) اور وہ کتاب کی اصل و بنیاد ہیں۔ دوسری قسم متشابہات کی ہے (یعنی ان کا مطلب کھلا اور قطعی نہیں) تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ (محکم آیتیں چھوڑ کر) ان آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو کتاب اللہ میں متشابہ ہیں اس غرض کہ فتنہ پیدا کریں اور ان کی حقیقت معلوم کرلیں حالانکہ ان کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر جو لوگ علم میں پکے ہیں کہتے ہیں ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور مصیبت یہ ہے کہ (تعلیم حق سے) دانائی حاصل نہیں کرتے مگر وہی جو عقل وبصیرت رکھنے والے ہیں۔''

متشابہات کی حقیقت کا ادراک عقل انسانی کی پہنچ سے باہر ہے وہ خلاف عقل نہیں (بلکہ) ماورائے عقل ہیں۔ انسان ان پر یقین کرسکتا ہے، مگر ان کی حقیقت نہیں پاسکتا۔

وفائے عہد اور قرآن: عہد جاہلیت کے عرب وفائے عہد کی اخلاقی قدر و قیمت سے بے خبر نہ تھے، ان میں ایسے لوگ بھی تھے، جو اپنے اور اپنے قبیلے کے مفاخر میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ وفائے عہد کو دیتے تھے لیکن جہاں تک جماعتی معاہدوں کا تعلق ہے، وفائے عہد کا عقیدہ کوئی عملی قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا۔ آج ایک قبیلہ ایک قبیلے سے معاہدہ کرتا تھا۔ کل دیکھتا تھا کہ اس کے مخالف زیادہ طاقتور ہو گئے ہیں تو بے دریغ ان سے جا ملتا تھا اور معاہد وحلیف پر حملہ کر دیتا تھا۔ گر کسی دشمن فریق سے (عہد جاہلیت کے عرب) امن کا معاہدہ کرتے، پھر دیکھتے کہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا موقع پیدا ہو گیا ہے تو ایک لمحے کے لئے بھی معاہدے کا احترام انھیں حملہ کر دینے سے نہیں روکتا تھا اور بے خبر دشمن پر جا گرتے تھے۔

قرآن راستبازی کی جو روح پیدا کرنا چاہتا تھا وہ ایک لمحے کے لئے بھی ایسی بداخلاقی گوارا نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے وفائے عہد اور احترام پیمان کا جو معیار قائم کیا ہے وہ اس درجہ بلند، قطعی، بے لچک اور عالمگیر ہے کہ انسانی اعمال کا کوئی بھی گوشہ اس سے باہر نہیں رہ سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ فرد ہو یا جماعت، ذاتی معاملات ہوں یا سیاسی، عزیز ہوں یا اجنبی، ہم قوم ومذہب ہوں یا غیر ہم قوم ومذہب، دوست ہوں یا دشمن، امن کی حالت ہو یا جنگ کی، لیکن کسی بھی حال میں عہد شکنی جائز نہیں، وہ ہر حال میں جرم ہے۔ معصیت ہے۔ اللہ کے ساتھ ایک بات کر کے اسے توڑ دینا ہے۔ عذاب عظیم کا اپنے کو مستحق ثابت کرنا ہے۔

قرآنی ارشادات: چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جابجا وفائے عہد پر زور دیا ہے اور جہاں کہیں مومنوں کے ایمانی فضائل کی تصویر کھینچی ہے، یہ وصف سب سے زیادہ ابھرا ہوا نظر آتا ہے۔

۱۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا (البقرہ:۱۷۷) اور جب قول وقرار کر لیتے ہیں تو اس کا پاس کرتے ہیں۔

۲۔ والذین هم لامانتهم وعهدهم راعون (المومنون)

نیز جن کی حالت یہ ہے کہ اپنی امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھتے ہیں۔

احادیث میں منافق کی یہ پہچان بتلائی گئی ہے:

اذا وعد اخلف جب وعدہ کرے گا پورا نہ کرے گا۔

(سورۂ نحل آیت ۹۲ میں فرمایا) تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا ۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ

''تم آپس کے معاملے میں اپنی قسموں کو مکر وفساد کا ذریعہ بناتے ہو اس لئے کہ ایک گروہ کسی دوسرے گروہ سے (طاقت میں) بڑھ چڑھ گیا ہے (یاد رکھو) اس معاملے میں اللہ تمہاری (راستبازی اور استقامت) کی آزمائش کرتا ہے۔''

پھر اس طرح کی بدعہدی کی مثال کیا ہے؟ فرمایا: **کالتی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا** (اس عورت کی سی ہے جس نے بڑی جانفشانی سے سوت کاتا، پھر خود ہی اسے ٹکڑے کر کے برباد کر دیا) یعنی جب ایک شخص یا ایک گروہ کوئی معاہدہ کرتا ہے تو اس کی پختگی کے لئے بڑی باتیں کرتا ہے۔ ہر طرح سے دوسرے فریق کو یقین دلاتا ہے۔ پھر اگر ایک بات اتنی کوشش کے بعد پختہ کی گئی ہے تو کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ جس نے کل پختہ کی تھی، وہی آج اسے اپنے ہاتھوں سے توڑ کر رکھ دے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رافت ورحمت: سورہ توبہ کی آخری دو آیتوں میں عرب کی اس نسل سے خطاب ہے جو اس وقت مخاطب تھی۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

(۱۲۸۔۱۹۲) ''تمہارے پاس اللہ کا رسول آ گیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا رنج وکلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں کے لئے شفقت اور رحمت رکھنے والا ہے اگر اس پر بھی یہ لوگ سرتابی کریں تو ان سے کہہ دو میرے لئے اللہ کا سہارا بس کرتا ہے کوئی معبود نہیں مگر اس کی ذات میں نے اسی پر بھروسا کیا وہ تمام عالم ہستی کی جہانداری کے عرش عظیم کا خداوند ہے۔''

فرمایا: اللہ کا رسول تم میں آ گیا۔ اس نے اپنا فرض رسالت ادا کر دیا۔ وہ کسی دوسری جگہ سے تم میں نہیں آ نکلا تھا۔ سنت الٰہی کے مطابق خود تمہیں میں پیدا ہوا اور چونکہ تمہیں میں سے ہے، اس لئے اول سے آخر تک اس کی ساری باتیں تمہاری

نگاہوں کے سامنے رہی ہیں اس کا لڑکپن بھی تم میں گزرا۔اس کی جوانی کے دن بھی تم میں بسر ہوئے پھر اس نے نبوت کا اعلان کیا تو اس نے تم سے کہیں چھپ کر زندگی بسر نہیں کی۔اس کی ساری باتیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے پھر جو کچھ گزرنا تھا، گزرا۔تم نے مظلومی وبیکسی کے اعلان بھی سن لئے۔فتح وکامرانی میں ان کی تصدیق بھی کرلی۔تم میں کوئی نہیں جو اس کی بے داغ زندگی کا شاہد نہ ہو اور کوئی نہیں جس نے اس کی ایک ایک بات کی سچائی آزما نہ لی ہو۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایسے وصف پر زور دیا، جو منصب رسالت کے لئے اور ہر اس انسان کے لئے جو قوم کی رہنمائی وقیادت کا مقام رکھتا ہو، سب سے زیادہ ضروری ہے، یعنی ابنائے جنس کے لئے شفقت ورحمت، فرمایا: اس سے زیادہ کوئی بات تمہارے لئے یقینی نہیں ہوسکتی کہ وہ سرتاپا شفقت ورحمت ہے۔وہ تمہارا دکھ برداشت نہیں کرسکتا۔تمہاری ہر تکلیف خواہ جسم کے لئے ہو، خواہ روح کے لئے، اس کے دل کا درد وغم بن جاتی ہے۔وہ تمہاری بھلائی کی خواہش سے لبریز ہے۔ وہ اس کے لئے ایسا مضطرب قلب رکھتا ہے کہ اگر اس کی بن پڑتی تو ہدایت وسعادت کی ساری پیالیاں پہلے ہی دن گھونٹ بنا کر پلادیتا۔ پھر اس کی یہ شفقت ومحبت تمہارے ہی لئے نہیں وہ تو تمام مومنوں کے لئے خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے ''رؤف رحیم'' ہے۔

''رؤف رافت'' سے ہے اور اس کا اطلاق ایسی رحمت پر ہوتا ہے جو کسی کی کمزوری اور مصیبت پر جوش میں آئے۔پس رافت کی ایک خاص صورت ہے اور رحمت عام ہے۔دونوں کے جمع کردینے سے رحمت کا مفہوم زیادہ قوت وتاثیر کے ساتھ واضح ہوگیا۔

پیام موعظت کی ضرورت: اس کے بعد مجمع مخاطبین یہ سب کچھ دیکھ لینے اور تجربہ کرلینے کے بعد بھی ادائے فرض سے اعراض کرے تو اے پیغمبر تم آخری اعلان کردو کہ میرے لئے اللہ بس کرتا تھا اور اب بھی بس کرتا ہے وہ اپنے کلمۂ حق کا محافظ ہے اور اس کی مشیت نے جو فیصلہ کردیا ہے یہ ہر حال ہوکر رہنے والا ہے۔ اس کا قیام وعروج کسی خاص ملک اور قوم کی پشت پناہی پر موقوف نہیں۔میرا بھروسا اللہ ہی پر تھا، اسی پر ہے، میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوگیا۔

یہ پیام موعظت یہاں کیوں ضروری ہوا؟ اس کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ دو باتیں سامنے رکھ لی جائیں سورت (یعنی سورہ توبہ) کے نزول کا وقت اور سورت کے مطالب۔یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب تمام عرب میں کلمۂ حق سربلند ہوچکا تھا اور گو قرآن کی عالمگیر فیروزمندیوں کی خبر دے دی تھی، تاہم ان لوگوں کے لئے جو کل تک غربت وبیکسی کی انتہائی مصیبتوں میں رہ چکے تھے۔تمام عرب کا مسلمان ہوجانا بڑی سے بڑی کامرانی تھی اور اس لئے ناگزیر تھا کہ ایک طرح کی فارغ البالی اور بے پروائی طبیعتوں میں پیدا ہوجائے۔غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں بعض سے جو تساہل ہوا اس کی تہ میں بھی اس حالت کی جھلک صاف دکھائی دے رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس صورت میں اس تفصیل اور شدت کے ساتھ استعداد کار اور عزم وہمت کی تلقین کی گئی ہے کہ اس کی نظیر کسی دوسری سورت میں نہیں ملتی۔

تاریخ انسانیت کے نوادر: کوئی شخص کتنے ہی مخالفانہ ارادے سے مطالعہ کرے، لیکن تاریخ اسلام کے چند واقعات اس درجہ واضح اور قطعی ہیں کہ ممکن نہیں ان سے انکار کیا جاسکے از اں جملہ یہ کہ جو جماعتیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت تھیں، ان کے تمام کام اول سے آخر تک ظلم وتشدد دغا وفریب اور وحشت وتشدد پر مبنی رہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا اس کا ایک ایک فعل صبر وتحمل، راستی ودیانت اور عفو وبخشش کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ تھا:

۱۔مظلومی میں صبر، ۲۔مقابلے میں صبر، ۳۔معاملے میں راستبازی، ۴۔طاقت واختیار میں درگزر

تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں، جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے (جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے اندر جمع ہوئے اور پورا عہد مبارکہ نبوت ان نوادر کی درخشانیوں سے جگمگا رہا ہے۔گویا سیرۃ طیبہ کا نچوڑ یہی ہے جو حقیقت میں انسانیت عالیہ وعظمیٰ کا سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

''نذیر'' و ''بشیر'' انسان کی ایک عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ جب کوئی انسان روحانی عظمت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو چاہتے ہیں کہ اسے انسانیت وبندگی کی سطح سے بلند کرکے دیکھیں، لیکن قرآن نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت صاف اور قطعی لفظوں میں واضح کردی کہ ہمیشہ کے لئے اس گمراہی کا ازالہ ہوگیا۔ صرف یہی ایک بات ان کی صداقت کے اثبات کے لئے کفایت کرتی ہے۔

جو دنیا پیشواؤں کو خدا اور خدا کا بیٹا بنانے کی خواہش مند تھی اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اتنا بھی نہ چاہا کہ کاہنوں کی طرح مجھے غیب دان تسلیم کرلو۔ زیادہ سے زیادہ اپنی نسبت جو بات سنائی وہ یہ تھی کہ میں انکار وبدعملی کے نتائج سے خبر کردینے والا (نذیر) اور ایمان ونیک عملی کی برکتوں کی بشارت دینے والا (بشیر) ایک بندہ ہوں اگر غیب داں ہوتا تو زندگی کا کوئی گزند مجھے نہ پہنچتا۔

کیا ایسے انسان کی زبان سے سچائی کے سوا کوئی بات نکل سکتی ہے؟

چہ عظمت دادہ ای یارب بخلق آں عظیم الشاں
کہ ''انی عبدہٗ'' گوید بجائے قول ''سبحانی''

سورہ فاتحہ کی تعلیمی روح: سورہ فاتحہ ''ام القرآن'' ہے ''الکافیۃ'' ہے، ''اساس القرآن'' ہے۔ ''السبع المثانی'' ہے۔قرآن کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد بہ تفصیل بیان کئے گئے ہیں سورہ فاتحہ میں انھی کا بہ شکل اجمال بیان

موجود ہے۔اس کا پیرایہ دعائیہ ہے اور اسے روزانہ عبادت (نماز پنجگانہ) کا ایک لازمی جزوقرار دیا گیا ہے۔ ذرااس کی تعلیمی روح کا اندازہ فرمائیے۔

ا۔وہ خدا کی حمد وثنا میں زمزمہ سنج ہے،لیکن اس خدا کی حمد میں نہیں جونسلوں، قوموں اور مذہبوں کی گروہ بندیوں کا خدا ہے بلکہ'رب العالمین' کی حمد میں جو کائنات خلقت کا پروردگار ہے اور تمام نوع انسانی کے لئے یکساں طور پر پروردگاری ورحمت رکھتا ہے۔

۲۔پھر وہ اسے (خدا کو) اس کی صفتوں کے ساتھ پکارنا چاہتا ہے لیکن اس کی تمام صفتوں میں سے صرف رحمت وعدالت ہی کی صفتیں اسے (حمد وثنا کرنے والے کو) یاد آتی ہیں۔گویا خدا کی ہستی کی نمود اس کے لئے سرتاسر رحمت وعدالت کی نمود ہے۔

۳۔وہ اپنا سر نیاز جھکاتا اور اس کی عبودیت کا اقرار کرتا ہے۔ کہتا ہے صرف تیری ہی ایک ذات ہے جس کے آگے بندگی و نیاز کا سر جھک سکتا ہے اور صرف تو ہی ہے جو ہماری ساری درماندگیوں اور احتیاجوں میں مددگاری کا سہارا ہے۔ وہ اپنی عبادت اور استعانت دونوں کو صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ کردیتا ہے۔ دنیا کی ساری قوتوں اور ہر طرح انسانی فرمانروائیوں سے بے پرواہو جاتا ہے۔

۴۔پھر وہ خدا سے سیدھی راہ چلنے کی توفیق طلب کرتا ہے۔یہی ایک مدعا ہے جس سے زبان احتیاج آشنا ہوتی ہے لیکن کون سی سیدھی راہ؟ کسی خاص نسل، خاص قوم یا خاص مذہبی حلقے کی سیدھی راہ؟ نہیں وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں اور تمام راستباز انسانوں کی متفقہ راہ ہے۔

۵۔اسی طرح وہ محرومی اور گمراہی کی راہوں سے پناہ مانگتا ہے۔ یہاں بھی ان راہوں سے بچنا چاہتا ہے جو دنیا کے تمام محروم اور گمراہ انسانوں کی راہیں رہ چکی ہیں۔

۶۔گویا جس بات کا طلبگار ہے، وہ بھی نوع انسانی کی عالمگیر اچھائی ہے اور جس بات سے پناہ مانگتا ہے، وہ بھی نوع انسانی کی عالمگیر برائی ہے۔نسل، قوم، ملک یا مذہبی گروہ بندی کے تفرقہ وامتیاز کی کوئی پرچھائیں اس کے دل ودماغ پر نظر نہیں آتی۔

۷۔غور کرو مذہبی تصور کی یہ نوعیت انسان کے ذہن وعواطف کے لئے کس طرح کا سانچا مہیا کرتی ہے؟

جس انسان کا دل ودماغ ایسے سانچے میں ڈھل کر نکلے گا وہ کس قسم کا انسان ہوگا؟ کم ازکم دو باتوں سے تم انکار نہیں کرسکتے۔اول اس کی خدا پرستی خدا کی عالمگیر رحمت وجمال کے تصور کی خدا پرستی ہوگی۔ دوسری یہ کہ کسی معنی میں بھی وہ نسل، قوم یا گروہ بندیوں کا انسان نہ ہوگا۔ عالمگیر انسانیت کا انسان ہوگا۔دعوت قرآنی کی اصل روح یہی ہے۔(ماخوذ از ترجمان القرآن)

(بحوالہ رسول رحمت)

☆☆☆

مسجد تیلیان اہل حدیث جودھپور کے متولی جناب عبدالرحیم صاحب کاانتقال پُر ملال:

یہ خبر نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ مسجد تیلیان اہل حدیث جودھپور کے متولی جناب عبدالرحیم عرف بچن صاحب کا گزشتہ شب بعمر تقریبا ساٹھ سال ہارٹ اٹیک کے سبب انتقال ہوگیا۔انااللہ واناالیہ راجعون۔

مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔آپ خلیق وملنسار اور جماعتی جذبے سے سرشار تھے۔علماء کے بڑے قدردان تھے اور ماہ صیام میں سفراء کی سحری کا بطور خاص اہتمام کرتے تھے۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے کاز سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے اور کانفرنسوں اور پروگراموں میں شرکت کرتے تھے۔ان کا انتقال جماعت وجمعیت کا بڑا خسارہ ہے۔ان کی تدفین آج مورخہ 20/فروری2023ءکو بعد نمازِ ظہر عمل میں آئے گی۔ان شاءاللہ۔پسماندگان میں اہلیہ، دوصاحبزادے توصیف وندیم اور ایک صاحب زادی ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے ،لغزشوں سے درگزر کرے ،خدمات کو قبول فرمائے ،جنت الفردوس کامکین بنائے اور پسماندگان کوصبر جمیل عطا کرے آمین ۔(شریک غم ودعا گو:اصغرعلی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق استاذ ماسٹر احمد حسین بستوی صاحب کا انتقال پر ملال: یہ خبر نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کے سابق استاذ جناب ماسٹر احمد حسین بستوی صاحب کا مورخہ ۱۸/فروری ۲۰۲۳ء بروز بدھ لکھنو کے اسپتال میں علاج کے دوران انتقال ہوگیا۔انااللہ واناالیہ راجعون

جناب ماسٹر احمد حسین بستوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔آپ بڑے خلیق وملنسار، خوش طبع، متشرع اور مشفق استاذ تھے۔گوکہ میں دوران طالب علمی ان سے نہیں ملا لیکن جامعہ میں درس وتدریس کے زمانے میں ان سے خوشگوار تعلقات تھے۔ انہوں نے جامعہ سلفیہ میں تقریبا ۳۸ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں اور ان سے بڑی تعداد میں طلبہ نے اکتساب فیض کیا جو ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ان شاءاللہ

ان کی تدفین آبائی وطن بھوکری، پیکولیا، ضلع بستی، یوپی میں عمل میں آئی۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، خدمات کو قبول کرے، جنت الفردوس کا مکین بنائے اور پسماندگان ومتعلقین کو صبر وسلوان کی توفیق ارزانی کرے۔آمین (شریک غم ودعا گو: اصغرعلی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

غرور وگھمنڈ نہیں، تواضع وخاکساری پیدا کیجیے

مولانا عبدالمنان شکراوی، دہلی

تکبر، غرور وگھمنڈ بہت ہی خراب عادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت اختیار کرنے سے سخت منع فرمایا ہے۔ جبکہ تواضع وخاکساری قابل ستائش خصلت ہے جس کے اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے۔ ان نعمتوں کے بل بوتے دوسروں سے اپنے آپ کو بلند وبرتر خیال کرنے کا نام تکبر ہے۔ بعض لوگ اپنے رعب ودبدبے، مال ودولت، علم وفن، جسمانی طاقت وقوت وغیرہ کی بنا پر تکبر کے نشے میں دُھت رہتے ہیں۔ اس کے برعکس خصلت، تواضع وخاکساری ہے۔ ایک خاکسار ومتواضع انسان اللہ کی مخلوق سے اپنے آپ کو برتر وبالا نہیں سمجھتا۔ وہ یہ بھی جانتا اور سمجھتا ہے کہ جتنی بھی نعمتیں ملی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہیں۔

قرآن کریم میں جابجا تکبر کی شناعت وخرابی کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ (النحل:۲۳) ترجمہ: وہ (اللہ) غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' دوسری جگہ فرمایا: أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ (الزمر:۶۰) ترجمہ: ''کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم نہیں؟'' ایک اور مقام پر فرمایا: ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ (الزمر:۷۲) ترجمہ: ''کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ جہاں ہمیشہ رہوگے، پس تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت ہی برا ہے۔''

اسی طرح حدیث قدسی میں ہے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الكبرياء ردائي والعظمة ازاري فمن نازعني واحدا منهما قذفته في النار۔ (ابوداؤد) ترجمہ: ''بڑائی (کبریائی) میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند، جوان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی مجھ سے جھگڑے (یعنی ان میں سے کسی ایک کا بھی دعویٰ کرے) میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات کی خبر دی ہے کہ متکبر وگھمنڈی جنت میں نہیں جائے گا چنانچہ فرمایا: جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

ہمیں تواضع وخاکساری کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ سورہ لقمان میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت کا ذکر فرمایا: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (لقمان:۱۸) ترجمہ: ''لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا اور زمین پر اکڑ کر نہ چل۔ کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ پسند نہیں کرتا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع وخاکساری کی ترغیب دی ہے، آپ کا فرمان ہے: اللہ نے مجھ کو وحی کی ہے کہ تم لوگ تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ تم میں سے کوئی کسی پر فخر کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔ (مسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا اور معاف کردینے سے بندے کی عزت میں اضافہ ہی ہوتا ہے، اور جو کوئی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے سربلندی عطا فرمائے گا۔ (مسلم)

امام شافعی رحمہ اللہ کے اشعار ہیں:

تواضع تكن كالنجم لاح ناظر
على صفحات الماء وهو رفيع
لا تك كالدخان يعلو بنفسه
على طبقات الجو وهو وضيع

ستارے کی طرح تواضع وفروتنی اختیار کرو۔ دیکھنے والا ستارے کو پانی کی سطح پر دیکھتا ہے حالانکہ وہ بلندی پر ہوتا ہے۔ دھویں کی طرح نہ بنو جو بذات خود تو اوپر کی طرف اڑ کر جاتا ہے لیکن اس کا مقام ومرتبہ گھٹیا ہی ہوتا ہے۔

اسی طرح مشہور عربی شاعر خلیل بن احمد الفراھیدی کا شعر ہے:

ليس التطاول رافعا من جاهل
وكذا التواضع لايضر بعاقل

لمبی چوڑی ہانکنا کسی جاہل کو بلندی عطا نہیں کرتا، اسی طرح خاکساری کسی عقلمند آدمی کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

کریز شاعر کا شعر ہے:

ولاتمش في الارض الا تواضعا
فكم تحتها قوم هم منك ارفع

اور زمین پر فروتنی کے ساتھ چلو پھرو کیونکہ کتنے ہی لوگ جو (اب) اس کے نیچے (دفن) ہیں، تم سے بہت بلند وبرتر تھے۔

انسان خود اپنی تخلیق پر اگر غور وفکر کرے کہ وہ کن کن مراحل سے گزرا ہے تو یہ ہی بات اس کے تواضع وفروتنی اختیار کرنے کے لیے کافی ہوگی چہ جائیکہ وہ غرور وتکبر کا رویہ اختیار کرے۔ یا یوں کہیے کہ کیا اس کے بعد بھی اسے تواضع کے بجائے تکبر اختیار کرنے کا حق حاصل ہے؟ آئندہ سطور میں اسی بات کی وضاحت کی جارہی ہے کہ تواضع وخاکساری لازمی وضروری عادت وخصلت ہے جسے اختیار کرنا چاہیے اور تکبر وغرور کی عادت کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

نامور بہادر سپہ سالار مھلب بن ابی صفرہ کا مالک بن دینار رحمہ اللہ کے پاس سے

گز رہوا جس کی چال متکبرانہ تھی۔ مالک بن دینار رحمہ اللہ نے اس سے کہا: کیا تمہیں خبر نہیں کہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے؟ اس نے کہا کیا تم پہچانتے نہیں میں کون ہوں؟ جواب دیا: تمہاری ابتدا بدبودار نطفہ اور انتہا، سڑی ہوئی مردہ لاش ہے۔ اور ان کی درمیانی مدت یعنی زندگی بھر پاخانہ کو اپنے ساتھ لیے پھرتے رہے۔'' بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے بعد مہلب کے اندر تواضع وانکساری آگئی اور کہا: صحیح معنوں میں آپ نے مجھے انسان کی حقیقت سمجھا دی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء)

یہ بڑا ہی فصیح مقولہ ہے جس نے انسان کی حقیقت کو چند الفاظ میں واضح کردیا ہے اور بتادیا ہے کہ انسان نر اور مادہ کے نطفے یعنی مرد اور عورت کی منی کے اندر پائے جانے والے جرثوموں کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس پانی کی حیثیت یہ ہے کہ اس سے غسل واجب ہوجاتا ہے۔ انسانوں کو اس سے کراہت محسوس ہوتی ہے، اسی طرح انسان کی زندگی کے سفر کی انتہا موت اور کسی بھی انسان کی چادر کفن ہے، چاہے وہ مالدار ہو یا غریب، عظیم ہو حقیر۔ اور موت کے بعد کا ٹھکانہ قبر، اور دفن مٹی میں ہونا ہے۔ اس کے بعد ڈھانچہ مٹی کے اندر جراثیم اور کیڑوں مکوڑوں میں تحلیل اور بدبودار لاش کی شکل اختیار کر جائے گا تو کیا جس کی زندگی کے سفر کی ابتدا اور انتہا اس طرح کی ہو، اسے زیب دیتا ہے کہ وہ تکبر وغرور کرے۔

پوری زندگی انسان اپنے جسم کے اندر گندگی یعنی پیشاب پاخانہ کو اٹھائے پھرتا ہے جس سے ہر کس وناکس کو گھن آتی ہے، اس کی شکل اور بو سے کراہت ہوتی ہے، بلکہ انسان اپنے جسم کے اندر بدبودار ریاح، ناک کی ریزش جس کی شکل گھناؤنی، اسے دیکھ کر ہر کوئی کراہت محسوس کرتا ہے کو روکے رکھتا ہے۔ تو جس کے جسم کے اندر یہ سب مادے موجود رہتے ہوں اور پھر انہیں وقتاً فوقتاً نکالتا رہتا ہو، اسے غرور وتکبر کرنے کا حق پہنچتا ہے؟

زمین پر انسان کی عمر جتنی بھی لمبی ہو بہرحال چند گنے چنے سال وماہ ہے اور آخر کار موت ہے۔ ہر دن انسان کے لاکھوں خلیے مرجاتے ہیں اور نئے خلیے وجود میں آتے ہیں۔ اعصابی نظام کے خلیات کے علاوہ ٹشوز خود بخود دوبارہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ زندگی بھر انسان کے جسم کے حصے مرتے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اسی کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے: يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ (الروم:۱۹) ترجمہ: ''(وہی) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے، اسی طرح تم (بھی) نکالے جاؤ گے۔''

کوئی بھی انسان کسی حادثے کا شکار ہوسکتا ہے اور اس کا بازو یا پنڈلی یا اس کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ کاٹنا پڑسکتا ہے پھر یہ حصہ دفن کردیا جائے حالانکہ وہ انسان زندہ ہے کھاتا پیتا ہے۔ تو کیا ایسا انسان جس کے خلیے مرتے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اس کے جسم کے بعض حصے زندہ رہتے ہوئے دفن ہوجاتے ہیں، اسے تکبر وغرور کرنا چاہیے؟ کوئی بھی انسان چھوٹے چھوٹے جرثومے جو کھلی آنکھ سے دکھائی بھی نہیں پڑتے کے سبب کسی خطرناک مہلک مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے جو کبھی کبھی موت کا سبب بھی بن جاتے ہیں، اسی طرح اور بھی عضوی بیماریاں اسے ہوجاتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان ایک کمزور مخلوق ہے۔ اسی کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے: وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا (النساء:۲۸) ترجمہ: ''اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے۔''

کیا کوئی انسان ایسا بھی ہے جو بیمار ہی نہ ہوتا ہو؟ دنیا میں انسان کے آنے کا آغاز کمزوری کی حالت سے ہوتا ہے۔ شروع میں وہ ماں کے رحم کے اندر مذکر ومؤنث کے نطفے کے ملنے سے وجود میں آتا ہے، پھر وہ جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کرتا ہے، پھر گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر جنین کی شکل میں ماں کے پیٹ سے کمزور پیدا ہوتا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی قدرت وطاقت نہیں ہوتی۔ اس کے بعد ماں اسے دو سال تک دودھ پلاتی ہے پھر اس کی افزائش ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ کڑیل جوان ہوجاتا ہے۔ پھر جسے عمر ملتی ہے وہ اضمحلال کی طرف چل پڑتا ہے اور بوڑھا وکمزور ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ چھوٹے بچے کی طرح دوسروں کا محتاج ہوجاتا ہے۔ اس کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے: وَمَن نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ (یس:۶۸) ترجمہ: ''اور جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں اسے پیدائشی حالت کی طرف پھر الٹ دیتے ہیں۔ کیا پھر بھی وہ نہیں سمجھتے؟''

انسان جو زندگی کے اول مرحلے میں کمزور وناتواں تھا اور آخری مرحلے میں بھی کمزوری وبے بسی اس کا مقدر بنتی ہے، کیا اسے تکبر زیب دیتا ہے؟ کیا کسی انسان نے کبھی یہ سوچا کہ جس ہوا میں وہ سانس لیتا ہے، سانس کے ساتھ ہوا میں موجود کسی کمتر انسان کے جراثیم اس کے اندر داخل ہوجاتے ہیں یا اس کے سانس کے ذریعے نکلنے والے جراثیم کتے بلی، چوہا یہاں تک کہ مکھی یا چیونٹی کے اندر داخل ہوتے ہیں؟ کیا انسان نے کبھی سوچا کہ اناج، پھل ونفیس سے نفیس نباتات سے بنا ہوا جو کھانا وہ کھاتا ہے اور اس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا، اس کے اجزاء چوپایوں کی لید وگوبر سے بنے کھاد سے پروان چڑھتے ہیں یہاں تک کہ بعض دفعہ انسان یا حیوان کا جسم جو مٹی میں سڑگل جاتا ہے، اس سے پیڑ پودوں کو غذا ملتی ہے جن میں سے بعض کے پھل ہم کھاتے ہیں ورنہ کم از کم ان سے پیدا ہونے والا آکسیجن ہماری زندگی کے لیے لازمی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے؟ انسانی جسم مرنے کے بعد قبر میں کیڑے مکوڑوں کی غذا بنتا ہے اور جو کسی وجہ سے دفن نہیں ہو پاتا، اسے پرندے، کتے وبلی کھاتے ہیں، بعض دفعہ وہ درندوں یا سمندر میں مچھلیوں کی غذا بنتا ہے تو کیا ایسی مخلوق جو دوسری مخلوق کی غذا بن جاتی ہو، اسے غرور وتکبر کرنا چاہیے؟

کائنات کے حجم کے اعتبار سے انسان کا وجود بہت معمولی بلکہ نہیں کے برابر ہے۔ انسان کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو، اس کے پاس کتنی ہی دولت کیوں نہ ہو، کرۂ ارض کی خشکی کا ایک بڑا خطہ اس کی ملکیت میں کیوں نہ ہو پھر بھی وہ خشکی والے حصے کا معمولی ہی ہوگا کیونکہ خشکی زمین کا صرف چوتھائی حصہ ہے اور خود زمین شمسی مجموعہ کا ایک سیارہ ہے جو سورج کے گرد چکر لگا رہا ہے اور یہ مجموعہ، کہکشاں کا ایک حصہ ہے جبکہ

کہکشاں، خود آسمان دنیا کی فضا کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ یہ تو اس آسمان کا معاملہ جبکہ اس کے علاوہ بھی چھ آسمان اور بھی ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان کی حیثیت کائنات میں بہت معمولی یعنی ناقابل ذکر ہے لہٰذا اس کے لیے عاجزی وانکساری، تواضع وفروتنی لازمی وضروری ہے، اسے غرور وتکبر، گھمنڈ واتراہٹ کسی طرح بھی زیب نہیں دیتی۔

متکبرین کے سرغنوں کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے اور ہمیں باخبر کیا ہے کہ قیامت کے دن ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ انہیں میں سے ایک ملعون ابلیس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تکبر کی بنا پر جو کہ اس کی سرشت میں داخل ہے، اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ وہ سمجھ بیٹھا تھا کہ وہ آدم علیہ السلام سے بھی افضل ہے کیونکہ اس کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے۔ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے اللہ کے حکم کو ٹھکرا دیا تو اسے دنیا وآخرت میں راندۂ درگاہ تو ہونا ہی تھا۔ اس کی منظرکشی قرآن کریم میں یوں کی گئی ہے: اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ (ص:۷۱۔۸۴) ترجمہ: ''جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا: میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ پھر جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے (نہ کیا)، اس نے تکبر کیا اور وہ تھا کافروں میں سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے اسے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ کیا تو کچھ گھمنڈ میں آ گیا ہے؟ یا تو بڑے درجے والوں میں سے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ تو یہاں سے نکل جا تو مردود ہوا۔ اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھٹکار ہے۔ کہنے لگا میرے رب مجھے لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مہلت دے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تو مہلت والوں میں سے ہے۔ متعین وقت کے دن تک۔ کہنے لگا پھر تو تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو یقیناً بہکا دونگا۔ بجز تیرے ان بندوں کے جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں۔ فرمایا: سچ تو یہ ہے، اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے (بھی) جہنم کو بھر دونگا۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مخلوق میں ابلیس پہلا متکبر وگھمنڈی ہے۔ اب اگر کوئی انسان یہ سمجھ کر تکبر وغرور کرنے لگے کہ وہ کسی الگ مٹی سے بنا ہے حالانکہ سب انسانوں کی تخلیق ایک ہی مٹی سے ہوئی ہے تو وہ اس سلسلے میں ابلیس کا پیروکار ہے اور قیامت کے دن اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

دنیا کی پوری تاریخ میں فرعون تکبر کرنے والوں کے لیے سامان عبرت ہے جس نے اپنی بادشاہت کے بل بوتے تکبر کا رویہ اختیار کیا۔ اس کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ (القصص:۴۔۶) ترجمہ: ''یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا اور ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا۔ بیشک وہ تھا ہی مفسدوں میں سے۔ پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا اور ہم انہیں کو پیشوا اور (زمین) کا وارث بنائیں اور یہ بھی کہ انہیں زمین میں قدرت واختیار دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔''

فرعون کو یہ گمان ہوا تھا کہ وہ خدا ہے جس کی زمین میں لوگ پوجا کرینگے۔ اس نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ذریعہ حق کی دعوت کو قبول نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سمندر میں غرق ہو گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ (القصص:۳۸۔۴۲) ترجمہ: ''فرعون کہنے لگا اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔ سن اے ہامان! تو میرے لیے مٹی کو آگ سے پکوا پھر میرے لیے ایک محل تعمیر کر تو میں موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں۔ اسے میں جھوٹوں میں سے ہی گمان کر رہا ہوں۔ اس نے اس کے لشکروں نے ناحق طریقے پر ملک میں تکبر کیا اور سمجھ لیا کہ وہ ہماری جانب لوٹائے ہی نہ جائیں گے۔ بالآخر ہم نے اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا برد کر دیا۔ اب دیکھ لے کہ ان گنہگاروں کا انجام کیسا کچھ ہوا۔ اور ہم نے انہیں ایسے امام بنا دیئے کہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں اور روز قیامت مطلق مدد نہ کیے جائیں۔ اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے اپنی لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔

یہ ہی نہیں جو بھی اپنی حکومت وسطوت کی بنا پر غرور وتکبر کرے گا، قیامت کے

دن اس کا حشر فرعون کے ساتھ ہوگا۔لہٰذا کسی بھی حکمراں کو غرور وتکبر میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے اور فرعون کے حشر سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔قارون نے مالداری اور بھاری دولت کے سبب لوگوں سے اپنے آپ کو برتر سمجھ کر تکبر وگھمنڈ کیا اور کہا کہ مجھے یہ میری قابلیت اور صلاحیت کی بدولت ملا ہے۔اس نے اللہ کی نعمت کا شکر ادا نہیں کیا اور نہ ہی اس برتری کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا نتیجہ بتایا تو پوری انسانی تاریخ میں دوسروں کے لیے سامان عبرت ونصیحت بن گیا۔دنیا میں اس کے اس غرور کا بدلہ یہ ملا کہ اسے اس کے محلات سمیت زمین کے اندر دھنسا دیا گیا اور آخرت میں بھی وہ گھاٹا اٹھانے والوں میں رہے گا۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (القصص: ۷۶-۸۲)

ترجمہ:''قارون تھا تو موسیٰ کی قوم سے،لیکن ان پر ظلم کرنے لگا۔ہم نے اسے (اس قدر) خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقتور لوگ بمشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے۔ایک بار اس کی قوم نے کہا کہ اترا مت۔اللہ تعالیٰ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔اور جو کچھ تجھے اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ۔اور اپنے دنیاوی حصے کو نہ بھول جا۔جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اچھا سلوک کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔قارون نے کہا: یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے۔کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سے بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے۔اور گنہگاروں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی۔پس قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا تو دنیاوی زندگی کے متوالے کہنے لگے کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔ذی علم انہیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔یہ باتیں انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہیں جو صبر کرنے والے ہوں۔(آخرکار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہوسکا۔اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزو مندیاں کر رہے تھے،وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ملتی۔''

یہ تو ہوا غرور وتکبر کرنے والوں سرغناؤں کا حال،رہے تواضع،خاکساری اور فروتنی کا راستہ اختیار کرنے والے فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بالکل نہیں کرتے بلکہ اس کے ہر حکم کو بجالاتے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ فرشتوں کو جیسے ہی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ملا فوراوہ سجدے میں گر پڑے لیکن ابلیس نے تکبر کیا۔فرشتوں نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نور سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔پوری انسانیت میں تواضع وخاکساری کرنے والوں کے پیشوا ومقتدیٰ ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی طرف حسن اخلاق کا معلم بنا کر بھیجا اور آپ قیامت تک مسلمانوں کے امام وپیشوا ہیں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب:۲۱) ترجمہ:''یقینا تمہارے لیے اللہ کے رسول میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ،تواضع وخاکساری کے اسباق سے بھری پڑی ہے۔فتح مکہ کے موقعہ پر ایک شخص آپ سے بات کرتے ہوئے تھر تھر کانپ رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''ڈرو نہیں،اطمینان رکھو،میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی تھی۔''(مستدرک حاکم) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ انصار سے ملنے جاتے تو ان کے بچوں سے سلام کرتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے (صحیح ابن حبان) ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا گیا: آپ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ فرماتی ہیں: گھر کا کام کاج کرتے رہتے یہاں تک کہ جب نماز کا وقت ہوجاتا تو نماز کے لیے نکل پڑتے۔(بخاری)

معلوم ہوا کہ غرور وتکبر ایسی صفت ہے جو انسان کو اللہ کی خوشنودی سے دور کر دیتی ہے اور اسے جہنم تک پہنچا دیتی ہے،جبکہ تواضع وخاکساری ایسی قابل تعریف خصلت ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ اور جنت سے قریب کر دیتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو غرور وتکبر سے محفوظ رکھے اور تواضع وخاکساری کی دولت سے سرفراز فرمائے۔آمین

اعلان داخلہ

المعهد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیة

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام اہل حدیث کمپلیکس اوکھلائی دہلی میں قائم اعلی تعلیمی وتربیتی ادارہ "المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیۃ" میں نئے تعلیمی کلینڈر (2023-2024) کے مطابق امسال نئے سیشن کے لئے

یکم مئی 2023ء مطابق 10/شوال 1444ھ بروز پیر تا 3/مئی 2023ء

مطابق 12/شوال 1444ھ بروز بدھ داخلہ لیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

شرائط داخلہ:

● امیدوار کسی معتبر سلفی ادارہ سے فارغ التحصیل ہو۔ ● دین کی خدمت اور دعوت کا جذبہ فراواں رکھتا ہو۔ ● آخری سال میں امتیازی نمبرات حاصل کیے ہوں۔ ● فراغت پر دو سال سے زیادہ کی مدت نہ گزری ہو۔ ● جس ادارہ سے فارغ ہو اس سے امیدوار کے حسن السیرۃ والسلوک پر کم از کم دو اساتذہ کی تصدیق ہو۔ ● اسلامی وضع قطع کا پابند ہو ● الیکشن آئی کارڈ یا آدھار کارڈ یافتہ ہو ● مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی کسی ذیلی جمعیت کی طرف سے سفارش کی گئی ہو۔ ● تحریری وتقریری امتحان میں کامیابی کے بعد ہی داخلہ لیا جائے گا۔ داخلہ کے لیے اصل اسناد پیش کرنا ضروری ہے۔

خصوصیات:

● خوشگوار ماحول میں عمدہ تعلیم۔ ● دعوت وافتاء کی عملی مشق۔ ● مقالات وبحوث لکھنے کی تربیت۔ ● انگریزی اور کمپیوٹر کی تعلیم کا معقول بندوبست ● علیحدہ کشادہ کمپیوٹر لیب ● ماہر اساتذہ کی ایک ٹیم۔ ● وقتاً فوقتاً جدید موضوعات پر ماہرین کے توسیعی خطبات۔ ● ہر طالب علم کو ماہانہ وظیفہ ● بہترین رہائشی انتظامات ● ڈائننگ ہال میں کھانے کا نظم۔ ● مطالعہ کے لیے لائبریری جس میں مصادر ومراجع کی کتابیں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ ● کھیل کود کے لیے وسیع میدان۔

درخواست موصول ہونے کی آخری تاریخ: 26/اپریل 2023ء

اپنی درخواست مع تصدیقات ونقول اسناد درج ذیل پتہ پر ارسال کریں۔

"المعهد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیة"

اہل حدیث کمپلیکس، ڈی۔ ۲۵۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

فون نمبر:۔ 23273407, 011-26946205، موبائل: 09560841844, 9213172981

شعبۂ تعلیم وتربیت:

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل کی تعمیر و تکمیل کے لیے

محترم وغیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُرزور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پر زور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے: (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدر پور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ و روغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال و اولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292